سلسلۂ قلندریہ

مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی

پیش لفظ :-

پروفیسر نثار احمد فاروقی

سلسلۂ قلندریہ

تصوف کے سلسلۂ قلندریہ کا مکمل تعارف، ملفوظات اور خیالات حضرت شیخ عبدالعزیز علمبردار مکیؒ، حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ اور دوسرے بہت سے قلندری بزرگوں کے حالات، حضرت مظہر کل قلندر کوٹی تک کے شجرہ کے بزرگانِ قلندر کا تذکرہ، قلندری ذکر و اذکار، ہیئت و لباس، مقصد اور قلندری نسبت پر تفصیلات، خدمات، اثرات اور کرامات

مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی

پیش لفظ

پروفیسر نثار احمد فاروقی

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سلسلۂ قلندریہ

مصنف

128597

مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی

قیمت: -/۷۰ ساز: 23x36/16 صفحات: ۲۵۵+۱

طبع اول: جولائی ۲۰۰۵ء

باهتمام: محمد ناصر خان

ناشر

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486

SILSILA-E-QALANDARIYA

Author: **Maulana Obaidullah Koti Nadvi**

Pages: **255+1**

Ist Edition: **July 2005**

Price: **Rs. 70/-**

Our Branches:

Delhi: Farid Book Depot (P) Ltd.
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph.: 23265406, 23256590

Farid Book Depot (P) Ltd.
168/2, Jha House, Basti Hazrat Nizamuddin (W),
New Delhi-110013 Ph.: 55358122

Mumbai: Farid Book Depot (P) Ltd.
208, Sardar Patel Road, Near Khoja Qabristan,
Dongri, Mumbai-400009 Ph.: 022-23731786, 23774786

Printed at Farid Enterprises, Delhi-2

فہرست

۱	تشکر و امتنان	۸
۲	پیش لفظ	۹
۳	اسرار کتاب	۱۴
۴	باب اول (قلندری طریق خصوصیات و امتیازات)	۱۷
۵	قلندری طریق۔ خصوصیات و امتیازات	۱۹
۶	قلندر	۱۹
۷	بانی سلسلہ، امتیاز	۲۰
۸	تجرید، تفرید	۲۱
۹	قلندرانہ ذوق و مشرب	۲۴
۱۰	قلندری ہیئت	۲۶
۱۱	قلندری لباس	۳۱
۱۲	ذکر الٰہی کی اہمیت	۳۲
۱۳	فرائض کی پابندی اور جذب و سکر	۳۳
۱۴	فقیرِ ہوشمند	۳۷
۱۵	تصوف کے دوسرے خانوادوں سے تعلق	۳۸
۱۶	قلندرانِ آزاد بھی	۳۹
۱۷	بابا فرید گنج شکر کے پاس	۳۹
۱۸	شیخ نجیب الدین متوکل کے مہمان	۴۰
۱۹	حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں	۴۱
۲۰	حضرت چراغ دہلوی کے پاس	۴۵
۲۱	حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے یہاں	۴۶
۲۲	تحریک شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے قلندری بزرگوں کا تعلق	۴۷

۲۳	شاہ اسماعیل شہید	۵۰
۲۴	شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و معارف کی اہمیت	۵۱
۲۵	دوسرے اکابر	۵۳
۲۶	تحریک ندوۃ العلماء سے قلندری بزرگوں کے روابط	۵۵
۲۷	اتحادِ ذوق	۵۸
۲۸	افتتاحی تقریب	۵۹
۲۹	لکھنؤ میں قیام ندوہ کی وجہ	۶۰
۳۰	طلبہ کا داخلہ	۶۳
۳۱	گیارہ سالہ خدمات	۶۴
۳۲	بانی ندوہ اور شاہ علی اکبر قلندر	۶۷
۳۳	شعر و ادب میں قلندر کا اثر	۶۸
۳۴	تین بڑے شاعر	۷۱
۳۵	مولوی اسماعیل میرٹھی	۷۱
۳۶	محسن کاکوروی	۷۳
۳۷	قلندر اور اقبال	۷۸
۳۸	علمی اور تصنیفی ذوق	۸۷
۳۹	عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت و کوہسار	۹۱
۴۰	نام نہاد قلندر یا قلندر کے روپ میں بہروپئے	۹۵
۴۱	بابِ دوم (ملفوظاتِ قلندریہ)	۱۰۹
۴۲	ملفوظاتِ قلندریہ	۱۱۱
۴۳	اسلامی عقیدہ اور علوم زائدہ میں فرق	۱۱۲
۴۴	شیخ کی صفات	۱۱۳
۴۵	کرشمہ یا عرفان	۱۱۶
۴۶	اغنیاء سے دوری	۱۱۷
۴۷	نفس کی طرف سے چوکنا رہے	۱۱۷

۴۸	وسوسہ کی حقیقت	۱۱۷
۴۹	خود بینی	۱۱۸
۵۰	حقوق العباد	۱۱۸
۵۱	سکر و مستی	۱۱۸
۵۲	خلافت پانے کے لئے بنیادی شرط	۱۱۹
۵۳	عاشق ہالک اور عاشق عارف	۱۲۰
۵۴	شرع محمدی کی راہ میں	۱۲۲
۵۵	مرید کو نصیحت	۱۲۳
۵۶	تصوف کی حقیقت	۱۲۳
۵۷	دست بکار و دل بیار	۱۲۴
۵۸	خلوت در انجمن، حفظ شریعت، اعتدال	۱۲۵
۵۹	فناء، طلب کرامت، مقامِ عبودیت، ظاہری حالت کی درستی	۱۲۶
۶۰	نفس کی تخلیق، قیدِ شریعت، مجاہدات کا مقصد	۱۲۷
۶۱	توکل سے مراد، نفس کا خطرہ، اصول درویشی	۱۲۸
۶۲	دنیا میں راحت کی تلاش، ادب	۱۲۹
۶۳	طلب اور عمل، جاہل پیرزادے	۱۳۰
۶۴	بابِ سوم (قلندری بزرگوں کی سوانح زندگی)	۱۳۱
۶۵	شاہ مظہر کل قلندر کوٹی تک کے بزرگان قلندر	۱۳۳
۶۶	حضرت شیخ عبدالعزیز عبداللہ علمبردار مکیؒ	۱۳۵
۶۷	مداریہ سلسلہ	۱۳۸
۶۸	مصافحہ کا سلسلہ، خاندانی تسلسل	۱۳۹
۶۹	درازئ عمر کا مسئلہ	۱۴۰
۷۰	چند مثالیں	۱۴۱
۷۱	تاریخی مسئلہ ہے نہ کہ عقیدہ	۱۴۵
۷۲	حضرت سید خضر رومی کھپرادھاری	۱۴۷

۷۳	طیفوریہ سلسلہ کی اجازت	۱۴۸
۷۴	شیخ نجم الدین دہلوی قلندرؒ	۱۵۰
۷۵	قادری اور سہروردی سلسلہ، رسالۂ غوثیہ	۱۵۱
۷۶	شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر پانی پتی	۱۵۷
۷۷	شیخ قطب الدین بینا دل جونپوریؒ	۱۶۱
۷۸	شاہ محمد قطب قلندر جونپوریؒ	۱۶۴
۷۹	شیخ الاسلام عبدالسلام جونپوریؒ	۱۶۶
۸۰	سہروردی نسبت، ملامحمود جونپوری کے نانا بھی	۱۶۷
۸۱	شیخ عبدالقدوس جونپوریؒ	۱۶۸
۸۲	شیخ مجتبیٰ عرف شاہ مجا قلندر لاہر پوریؒ	۱۷۰
۸۳	شیخ سے تعلق	۱۷۱
۸۴	استغراق	۱۷۲
۸۵	خلافت	۱۷۳
۸۶	شیخ فتح قلندر جونپوریؒ	۱۷۴
۸۷	غلبۂ حال، کرامت کے ذریعہ اصل مقصود کی طرف توجہ دہانی	۱۷۵
۸۸	شیخ اللّٰہدیہ احمد قلندر لاہر پوری، کمال معرفت	۱۷۷
۸۹	لباس، تصنیفات، صاحبزادگان	۱۷۸
۹۰	مختلف اسفار اور انتقال	۱۷۹
۹۱	خانقاہ کاظمیہ کاکوری	۱۸۱
۹۲	شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہر پوریؒ	۱۸۴
۹۳	عہد، سجادہ نشینی	۱۸۵
۹۴	پیر بھائی، تصنیف، لباس	۱۸۶
۹۵	اولاد، وفات، خلفاء	۱۸۷
۹۶	شاہ مظہر کل قلندر کوئی	۱۹۳
۹۷	ملازمت	۱۹۴

۹۸	شیخ عبدالرحمٰن ثانی لاہر پوری سے تعلق اور بیعت، اہلیہ کا انتقال	۱۹۵
۹۹	لاہر پور کا قیام، جاروب کشی	۱۹۶
۱۰۰	لاہر پور میں قیام کا یہ دور	۱۹۷
۱۰۱	جاروب کشی کا مطلب	۱۹۸
۱۰۲	شاہ مظہر کلؒ سے فقرائے آزاد کا سلسلہ، بالکہ اور فقیر آزاد کا مفہوم	۲۰۰
۱۰۳	مظہر کل شاہ صاحب کی کوٹ میں آمد	۲۰۳
۱۰۴	قیام گاہ اور خانقاہ کا بندوبست	۲۰۴
۱۰۵	یہ دورِ پرآشوب	۲۰۵
۱۰۶	شاہ مظہر کلؒ کے اثرات	۲۱۱
۱۰۷	شاہ صاحب کے خلفاء، پہلا سلسلہ	۲۱۴
۱۰۸	عاشق علی شاہ جلالپوری	۲۱۵
۱۰۹	شاہ صاحب سے خلافت کا دوسرا سلسلہ	۲۱۶
۱۱۰	مریدین	۲۱۹
۱۱۱	کرامات وخوارق	۲۲۰
۱۱۲	بسنت کا فاتحہ، شاہ مظہر کلؒ کی وفات	۲۲۴
۱۱۳	حضرت مظہر کل شاہ صاحب کے افکار وخیالات	۲۲۶
۱۱۴	جاں سپاری اور سوختہ سامانی	۲۲۷
۱۱۵	توحید وجودی	۲۲۸
۱۱۶	دل کی کشاد اور علم باطن کی تلاش	۲۳۰
۱۱۷	اپنے پیرومرشد کا تذکرہ	۲۳۱
۱۱۸	ناؤنوش سے کچھ حاصل نہیں، شاہ صاحب کا اپنا حال ومقام	۲۳۲
۱۱۹	عام لوگوں سے اسرار کی بات نہ کرنا چاہئے احترام شریعت ضروری ہے	۲۳۴
۱۲۰	کلام مظہر کل...... رباعیات	۲۳۶
۱۲۱	غزلیات	۲۴۱
۱۲۲	غزلیات مظہر کلؒ کا منظوم اردو ترجمہ	۲۴۷
۱۲۳	مراجع ومصادر	۲۵۳

تشکر و امتنان

اس کتاب کے سلسلے میں سب سے پہلے تو میں عزیزی محمد عمیر کوٹی ندوی کا تذکرہ کروں گا کہ انہوں نے سلسلۂ قلندریہ کی اشاعت، کمپیوٹر سے کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل میں جس محنت، سلیقہ اور علمی شغف سے کام کیا ہے اس کے لئے وہ ہر طرح تحسین و آفریں کے مستحق ہیں۔ سید مظہر کل شاہ ریسرچ سینٹر (کوٹ، ضلع فتحپور، یوپی) کی یہ تیسری کتاب ہے جس کے لئے فرید بکڈپو نئی دہلی کے ذمہ داروں نے طباعت کی منزل آسان کردی اور اب یہ ان کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ اس کے لئے وہ بطور خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔

میں مرحوم جناب پروفیسر نثار احمد فاروقی کا بہت زیادہ ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا باقاعدہ مطالعہ کیا تھا، مفید مشورے دئے تھے جن سے اپنے اپنے مواقع پر استفادہ کیا گیا۔ ان کا پیش لفظ اس موضوع اور اس کتاب دونوں کے وقار و وزن میں اضافہ کا سبب ہے۔ علم و ادب اور تحقیق کے میدان میں اور تاریخ و تصوف کی وادی میں ان کی درخشانی، فکر و نظر کے بہت سے گوشوں کو اجاگر کر چکی ہے۔ انہوں نے اپنی بے حد مصروفیتوں کے باوجود ایسا وقیع پیش لفظ لکھ کر چشم بینا کے لئے جن نئی سمتوں کی نشاندہی کی ہے ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کتاب اشاعت کے منازل طے کر پاتی اس سے پہلے ہی مرحوم داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

سلسلۂ قلندریہ کی ترتیب و تالیف کے زمانہ میں میرے والد گرامی مولانا ریاست علی خاں صاحبؒ (ف ۳ رجون ۱۹۹۲ء شاگرد علامہ انور شاہ کشمیری) حیات تھے اور اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں ان کی دعائیں میرے لئے مہمیز کا کام کرتی رہیں۔ کتاب کے مختلف ابواب سن کر انہوں نے مسرت کا اظہار کیا اور حوصلہ افزائی کی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا کرے۔

(مولانا عبید اللہ کوٹی ندوی)

بانی صدر

اسلامک ویلفیئر سینٹر

کوٹ فتح پور (یوپی) ۲۱۲۶۵۶

پیش لفظ

تصوف اسلام کا روحانی پہلو ہے۔ اس کے بارے میں لکھنا یا گفتگو کرنا علمی حلقوں میں فیشن سا ہو گیا ہے، مگر یہ قال کا نہیں حال کا موضوع ہے۔ اس کی کیفیات، واردات اور مقامات کا بیان اصطلاحوں میں نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آپ خوشبو کو محسوس کر سکتے ہیں، یا دوسروں کو اس کا احساس دلا سکتے ہیں، مگر اس کی ایسی تعریف نہیں کر سکتے جس سے خوشبو کی ماہیت سمجھ میں آ جائے۔ پھر بھی تاریخ اور تذکرے سے متعلق کچھ پہلو ایسے ہیں جو علمی تحقیق کے دائرے میں آتے ہیں، ان پر اردو زبان میں کچھ کام ہوئے ہیں اور کچھ پہلو ابھی تک تشنہ بھی ہیں۔

ان میں سے ایک اہم، قابلِ غور اور لائقِ تحقیق موضوع ''قلندر'' اور ''قلندریت'' بھی ہے۔ ابھی تک یہ بھی واضح نہیں ہو سکا کہ قلندر کس زبان کا لفظ ہے، اس کے لغوی اور اصطلاحی معانی کیا ہیں؟ کسی نے کہا کہ قلندر سریانی زبان میں اللہ کا نام ہے، اس سے زیادہ بے تکی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ایک مخلوق کو اللہ کے نام سے موسوم کر دیں۔ ابھی ایک ماہ بھی نہیں ہوا کہ انگریزی اخبار میں بھالو کا تماشا دکھانے والوں کی تصویر چھپی تھی اور اس کے نیچے لکھا تھا کہ ''قلندر بھالو نچا رہا ہے!'' یہ تو خیر ان لوگوں کی جہالت ہے جو اسلامی فکر اور مسلمانوں کی رسوم و عادات سے جان بوجھ کر بے خبر رہنا چاہتے ہیں، خود مسلمانوں میں اچھے خاصے اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگ بھی زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ قلندر ہونے کے لیے ''چہار ابرو کا صفایا'' کافی ہے۔ حافظ شیراز کہتے ہیں:

هزار نکته درین کارو بارِ دلداری ست
نه هر که سر بتراشد قلندری داند

صرف سر منڈانے یا چہار ابرو کا صفایا کرنے سے کوئی قلندر نہیں ہو جاتا۔ اس کے بھی اپنے اصول اور آداب ہیں۔

قلندر عربی لفظ تو ہے نہیں، فارسی میں خوب استعمال ہوتا ہے مگر اس کی اصل فارسی بھی نہیں، لسانی ساخت اور صوتی کیفیت کے اعتبار سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ درویشی کی مختصر تعریف کی جائے تو یہ روحانی تجربات سے گزرنے کا عمل ہے، اس کے بہت سے مراتب اور درجے بھی ہیں۔ درویشوں میں صوفی وہ ہے جو دنیا اور دنیا والوں سے دل نہیں لگاتا، حصول معرفت کے لیے

حدودِ شریعت میں رہ کر راہِ سلوک طے کرتا ہے، اور سیر الی اللہ کے مختلف مقامات سے گزرتا ہوا سیر فی اللہ کی لانہایت منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔

من زتن عریان شدم او از خیال
می خرام در نہایات الوصال

اسی درویشی کا ایک پہلو وہ ہے جسے ''ملامتیہ'' کہا گیا ہے۔ ملامتی درویش اپنا حال خلق سے چھپاتا ہے اور خالق سے استوار رکھتا ہے۔ یہ ایسا گروہ ہے جس کے لیے حدیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کہتی ہے: رب أشعث أغبر مدفوع بالأبواب لو أقسم علی اللّٰہ لأبرّہ (مسلم: ۱۳۸، ابن ماجہ: ۴۸) کچھ الجھے ہوئے اور گردآلود بالوں والے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی لاج رکھ لیتا ہے۔ اسی گروہ کے لیے شیخ سعدی نے کہا ہے:

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

ملامتی اپنے ظاہری اعمال کے پردے میں چھپے رہتے ہیں، کبھی خاص حالات میں ان کی کیفیات کا علم ہو جاتا ہے۔ درویشوں کا تیسرا [اور باعتبار رتبہ بلند] طبقہ ''قلندروں'' کا ہے۔ یہ کامل ترک و تجرید و تفرید کی منزل ہے، جہاں سب اضافتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ ریاض العارفین میں کہا گیا ہے۔

قلندر کنایت از صاحبِ مقام اطلاق است، حتی از قیودِ اطلاقیہ، و فرق میان قلندر و ملامتی و صوفی آن کہ قلندر تفرید و تجرید بکمال دارد و در تخریب عادات کوشد، و ملامتی در کتم عبادات کوشد، و صوفی دلِ او اصلا بخلق مشغول نشود [ریاض العارفین/ ۴۱]

یعنی قلندر ترک کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جسے "ترکِ ترک" کہتے ہیں۔ قلندر اور ملامتی اور صوفی سالک میں فرق یہ ہے کہ قلندر کا ترک اور تجرید وتفرید کمال درجے کی ہوتی ہے۔ وہ عادات و رسوم کو بھی اٹھادیتا ہے۔ ملامتی اپنی عبادات کو چھپاتا ہے اور صوفی

خلق سے بے ضرورت نہیں ملتا، عزلت گزین ہوتا ہے۔
شیخ فخر الدین عراقیؒ نے کہا:

صنما رہِ قلندر سزد ار بہ من نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہِ زُہد و پارسائی

زہد اور پارسائی کا تعلق دنیا اور اسباب دنیا سے ہے۔ زاہد تو اسی کو کہیں گے جو عیش ونشاط اور آسائش و آرائش سے منہ موڑ کر صرف ما یحتاج اور قوتِ لایموت پر قناعت کرے۔ پارسائی یہ ہے کہ دریا میں رہ کر بھی دامن تر نہ ہو۔ یہ بڑی آزمائش کے مرحلے ہیں، ''رہِ قلندر'' یہ ہے کہ جب ہر چیز سے دامن جھاڑ لیا تو نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ یہی شیخ فریدالدین عطار نے کہا ہے:

سر بہ بازارِ قلندر برنہم
پس بیک ساعت ببازم ہرچہ ہست

بازار قلندری کا رخ کروں اور جو کچھ ساز و برگ ہے اسے داؤں پر لگادوں۔ وہ سرمایہ کیا ہے؟ نخوت و پندار، خود بینی، حرص و ہوس، حقد و حسد وغیرہ۔ سلوک کی راہ سے بھی ان کا علاج ہوسکتا ہے مگر یہ ایسا ہے کہ آپ اپنے گھر سے ایک ایک کونا جھاڑ بہار کر کوڑا کرکٹ نکالیں اور گھر کو صاف ستھرا کریں تو اس میں وقت بھی زیادہ چاہئے محنت بھی، پھر بھی کچھ نہ کچھ کباڑ تو ڈھکا چھپا رہ ہی جائے گا۔ قلندری کا نسخہ ایسا ہے جیسے سارے کاٹھ کباڑ کو آگ لگادی۔ ذرا سی دیر میں ستھراؤ ہوگیا۔ محنت کم، نتیجہ یقینی اور حسب مراد۔ یعنی وہ منزل مل گئی جسے اقبال نے یوں کہا ہے:

قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ صوفی جو راہِ سلوک طے کر کے نفس و شیطان کے نرغے سے باہر آتا ہے اس کی آرائش و زیبائش بھی قلندری سے ہی ہوتی ہے۔ قلندری صوفی کا زیور ہے۔

صوفیہ کے تذکرے تو بہت لکھے گئے ہیں، ان میں کچھ وہ ہیں جن میں تحقیق سے کام لیا گیا ہے، واقعات کی صداقت کو پرکھنے کا معیار نظر میں رہا ہے، جیسے امیر خرد کرمانی کی تالیف سیر الاولیاء فی محبۃ الحق جل و علا یا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تالیف اخبار الأخیار۔ مگر بہت بڑی تعداد ان تذکروں اور کتابوں کی ہے جو کسی مرشد یا کسی خانوادے کے عموماً کم علم مریدین و معتقدین نے لکھی ہیں۔ ایسی کتابوں نے صوفیہ کے بارے میں بہت سی غلط باتوں کو شائع کردیا ہے ان میں تاریخی، سوانحی یا تربیت و ارشاد سے متعلق باتیں بقدرِ

ضرورت بھی نہیں ہوتیں، سارا زور بیان کرامتوں میں صرف ہو جاتا ہے، جیسے درویشی کا مطلب ہی یہ ہو کہ اس سے بالارادہ وبلاارادہ خارقِ عادت اعمال سرزد ہوتے رہیں۔

تصوف کے بڑے خانوادے جیسے چشتی، سہروردی، قادری، نقشبندی وغیرہ کے بارے میں قدیم مصادر کے علاوہ جدید تذکرہ نگاروں کی تالیفات بھی مل جاتی ہیں مگر ایک شعبہ ایسا ہے جو اپنی اہمیت میں کسی سے کم نہیں مگر اس کے بارے میں سب سے کم لکھا گیا ہے، وہ بھی یک جا نہیں ملتا۔

پیش نظر کتاب ''سلسلۂ قلندریہ'' جسے جناب مولانا عبید اللہ کوٹی ندوی نے قابل استناد مآخذ کی مدد سے لکھا ہے اور بہت سلیقے سے ترتیب دیا ہے، عہد جدید کی کتابیاتِ تصوف میں ایک اہم اضافہ ہے اور بہت مدت سے محسوس کی جانے والی کمی کو پورا کرتی ہے۔ فاضل مصنف نے قلندری کی تاریخ اور اس طریق کی خصوصیات، تعلیمات اور ترجیحات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ یہ حصہ تصوف کا نظریاتی مطالعہ کرنے والوں کے لئے خاص طور سے مفید ہے۔ اس کتاب میں طریق قلندری کے بانی شیخ عبدالعزیز علمبردار مکیؒ سے حضرت مظہر کلؒ قلندر رکونی تک ایک درجن قلندروں کے حالات ممکن حد تک تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ ضمناً جن بزرگوں کا تذکرہ ہوا ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب مفید معلومات سے مملو ہے۔ مگر اس میں شیخ عبدالعزیزؒ عبداللہ علمبردار مکیؒ کی درازیٔ عمر[1] کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور پھر اس کو منطقی بنیاد دینے کی کوشش کی گئی ہے، ہمارے خیال میں وہ لزوم مالایلزم کی مثال ہے۔ یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ ان کی عمر بہت طویل ہوئی اور مدت طوالت کے بیان میں بہت سی مختلف روایات ملتی ہیں۔

انہوں نے چشتی سلسلے کی چند ممتاز شخصیات کا حوالہ دے کر اس اہم نکتے کی جانب اشارہ کیا ہے کہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ [ف ۵۔محرم ۶۷۰ھ]، ان کے برادر خرد حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ [ف ۹۔رمضان ۶۶۹ھ]، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ [ف ۱۸۔ربیع الثانی ۷۲۵ھ] اور شیخ نصیرالدین محمودؒ اودھی چراغ دہلی [ف ۱۷ررمضان ۷۵۸ھ] کی خانقاہوں میں بھی نہ صرف یہ کہ قلندروں کی آمد تھی، ان کا استقبال ہوتا تھا اور ان کی قدر ومنزلت کی جاتی تھی، بلکہ خود ان بزرگوں کے تصوف میں قلندری کی چاشنی تھی۔ چشتی اور شطاری درویشوں کے بارے میں خصوصیت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مختلف سلسلوں کے طریق سے استفادہ کیا ہے۔

---

(۱) درازیٔ عمر کی تفصیلات کو بہت زیادہ مجمل کر دیا گیا ہے البتہ طول عمر کے منطقی امکان اور ذکر کردہ مثالوں کو باقی رکھا گیا ہے۔

اس کتاب سے کم سے کم راقم الحروف کو کئی نئی باتوں کا علم ہوا یا اس کتاب نے کسی بھولی ہوئی بات کو یاد دلا دیا۔ اسی کتاب سے مجھے خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے گہرے ربط و تعلق کا علم ہوا۔ اسی کتاب سے لاہرپور اور اطراف کے قلندران بزرگ کے بعض حالات کے علاوہ ان کے باہمی رشتوں کے بارے میں معلوم ہوا۔

کتاب کا تمہیدی حصہ مفید معلومات سے بھرپور ہے، آخر میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری اور ان کے جانشین حضرت مظہر کلؒ قلندر کوٹی کے حالات، ملفوظات بھی قدرے تفصیل سے لکھے ہیں۔ مؤخر الذکر بزرگ کا فارسی کلام اور اس کا منظوم اردو ترجمہ بھی آخر میں دیا گیا ہے۔

تصوف وہ موضوع ہے کہ اس کی ترجمانی یا تعبیر و تشریح اور تفسیر و تبلیغ، پر کسی عالم کو یا فقیہ صوفی کو لکھنا چاہئے۔ یا کوئی صاحب نسبت و ارشاد درویش قلم اٹھائے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارا طبقۂ علماء کچھ ضرورت سے زیادہ تصوف سے بدظن ہو چکا ہے (مگر بیعت و ارشاد سے دست بردار نہیں ہوا ہے) اور آج کی درگاہوں کا وہ حال ہے کہ بقول اقبال:

''خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن''

اس لئے نئی نسل میں ایسے باصلاحیت افراد سامنے نہیں آرہے ہیں جو اپنے اسلاف کی خدمات جلیلہ کا تعارف کرائیں یا ان کی تاریخ لکھیں، یا ان کی یاد کو زندہ و شاداب رکھیں، ان کی تصانیف و تالیفات اگر عربی یا فارسی میں ہیں تو انہیں اردو یا ہندی یا انگریزی میں ترجمہ کرکے ان کے افادے کا دائرہ وسیع تر کرسکیں، ان کے ملفوظات کو جو قلمی نسخوں کی شکل میں ہوں شائع کریں۔ ان حالات میں اگر تاریخی یا ثقافتی موضوع پر کوئی سنجیدہ باوقار تالیف یا تحریر نظر سے گذرتی ہے تو خوشی ہوتی ہے اور کسی قدر اطمینان بھی ہوتا ہے کہ الحمدللہ ابھی اس خاکستر میں کوئی چنگاری باقی ہے۔ مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی کی اس کتاب سے اسی طرح کی خوشی اور ایسا ہی اطمینان حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہند اسلامی ثقافت کے دوسرے موضوعات پر بھی کام کرنے کی توفیق دے۔

پوسٹ بکس نمبر ۹۷۲۳
جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
۴ر رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

(پروفیسر نثار احمد فاروقی)

اسرارِ کتاب

قرآن مجید میں جن وانس کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:

وماخلقت الجن و الانس الالیعبدون

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ھے تاکہ وہ میری عبادت کریں.

عبادت الٰہی سے اجمالی معرفت تفصیلی معرفت حق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اس عبادت الٰہی کے طور وطریق بتلانے اور اس کے نتیجہ میں معرفت الٰہی تک پہچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا چنانچہ ذات الٰہی کا عرفان حاصل کرنے کا وہ حقیقی وسیلہ ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقصد اور وسیلہ دونوں کا خلاصہ اس جامع کلمہ میں پیش کر دیا ہے۔

لاالہ الااللہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

محمد رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

نبی آخر الزماں پر ایمان، ان سے محبت اور ان کی اتباع ہی وہ وسیلہ ہے۔جس کے ذریعہ خلق خدا، خدا تک پہنچ سکتی ہے۔امت مسلمہ کے تمام گروہ، مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی اس ایک منزل کی طرف رواں دواں رہے جو انہیں رسول آخر الزماں اور محمد عربی ﷺ نے دکھائی تھی۔کلمہ طیبہ ہی سے ہمارے سفر کا آغاز ہوتا ہے اور ہمارے سفر کا اختتام بھی اہل تصوف کے خانوادے چشتی ہوں یا سہروردی، نقشبندی ہوں یا قادری، رفاعی ہوں یا قلندر سب کی منزل یہی ہے۔حدیث وتفسیر اور فقہ وتصوف وہ ڈگر ہیں جن پر چل کر معرفت الٰہی اور بندگی رب کی منزل تک پہنچنا تھا۔جو راہ مستقیم پر ثابت قدم رہے اور ''کتاب الٰہی اور سنت رسول ﷺ'' سے نہ ہٹے وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ورنہ ہر گروہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو گرد و پیش کے نظریات میں الجھ کر کبھی تو لفظوں کے گورکھ دھندے میں گم ہو گئے اور کبھی معانی سے گزر کر کیفیات کے سمندر میں ڈوب گئے۔لفظوں سے الجھے تو قلب مومن مجروح ہو گیا اور کیفیات میں ڈوبے تو قالب اسلام کو کھو بیٹھے۔محدث ہوں یا مفسر، صوفی ہوں یا فقیہ یہ خود منزل نہیں، منزل حق کے راہ

رو ہیں، فکر و نظر میں پختگی اور قلب و روح میں توانائی اور تابندگی ہو تو یہ سفر آسان ہو جاتا ہے۔ ورنہ علوم و معارف کا فیضان اور انوار و کیفیات کا طوفان کبھی ایک امتحان بھی ثابت ہوتا ہے۔ کتنے بلندیوں سے گر کر پستیوں کے مکیں ہو گئے، کتنوں نے نور حضورﷺ کی تاب نہ لا کر ہوش گم کر دیئے۔ اور بہت سے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے علم کی کمی اور جہل کی بہتات کی وجہ سے نقل کو اصل سمجھا، غیر حق کو حق جانا، بعد ظلمانی کو قرب یزدانی گردانا، نار شیطانی کو نور ربانی سمجھ کر اپنا دین و ایمان تج دیا۔ شیطان نے درمیان راہ ہی میں یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ بس اب منزل آ گئی، قید شریعت اور دین کے قالب کی ضرورت نہ رہی، جو گیان ملا ہے اسی میں مست رہو، اب نہ لا الہ الا اللہ کی پابندی کی ضرورت ہے اور نہ ہی محمد رسول اللہ کی پیروی کی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ خلق کی نظر میں وہ جو کچھ بھی ہوں خالق کی نظر میں ان کی وقعت کچھ بھی نہیں وہ بدعات میں گم ہوئے تو سنت نبوی سے دور ہو گئے۔ توحید حق سے ہٹے تو شرک کے جال میں پھنس گئے۔ کتاب و سنت کے علم سے روگردانی کی تو جہل نے ان کو ہزار طرح کے شیطانی وسوسوں اور نفسانی حیلوں اور تاویلوں میں الجھا کر رکھ دیا۔

یہ کتاب ''سلسلۂ قلندریہ'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ ایک طرح سے قلندر کا سفرنامہ ہے۔ یہ بھی اللہ کے نیک بندے، بزرگان حق اور اولیاء دین تھے ان کی منزل بھی وہی تھی جس کا تعین اللہ اور اس کے رسول برحقﷺ نے کر دیا تھا۔ یہ خادمان دین، معرفت حق کے جویا اور مرضی حق کے طالب تھے، اللہ کے آخری رسول سرکار دو عالمﷺ کے متبع و پیرو، نبی کے عاشق و شیدا، یہ دین حق کے وہ سالار تھے جنہوں نے اپنا تن من دھن راہ حق کے لئے قربان کر دیا۔ ان کی زندگی کے بہت سے گوشے منظر عام پر نہ آ سکے یا ان کے کسی عمل کی پوری تصویر ابھر کر سامنے نہ آ سکی ہو تو یہ تاریخ کا قصور ہے۔ ان کے عمل کا کوئی پہلو اگر واضح نہیں یا زندگی کا کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل ہو یا ان کا کوئی عمل کتاب و سنت کے مطابق نظر نہ آئے تو ان کا یہ اعلان کافی سمجھا جانا چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی راہ پر گامزن تھے اور عبادت الٰہی اور حب نبوی کی راہ میں انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ دنیا والوں نے ان کی زندگی کے نقوش گم کر دیئے یا ان کی تصویر بگاڑ دی تو کچھ حرج نہیں آفتاب نبوت روشن ہے دنیا اس کی مدد سے اپنی راہ درست کر لے گی، کلام الٰہی کے صفحات روز روشن کی طرح عیاں ہیں

ان کو پڑھ کر ہر گرہ کھل جائے گی۔ رہ گئے وہ تو ان کا ثبات و رسوخ، ان کی جرأت و بے باکی، ان کا فقر و استغناء، ان کا ذکر و شغل، خلق و خالق سے ان کا ربط، ایک کی خدمت دوسرے کی عبادت، ایک کے سامنے تواضع دوسرے کے سامنے سجدہ ریزی، خلق سے بے نیازی و خالق سے نیازمندی، یہ وہ صفات و احوال ہیں جو ہر حال میں تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ بزرگوں کی سوانح کا اصل جوہر یہی صفات و احوال ہیں جن کو پڑھ کر ایمان کی تازگی اور حوصلہ کی بلندی، راہ حق پر استقامت، اللہ سے تعلق اور اس کے حبیب و محبوب سرکار دو عالم ﷺ سے محبت اور اتباع کی توفیق ملتی ہے۔ اور شیطانی سیلاب اور نفسانی طوفان کے مقابلہ میں بزرگان دین کے یہ احوال ہمارے لئے کشتی نوح ثابت ہوتے ہیں:

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

ہمیں امید ہے کہ بزرگان قلندر کے یہ نقوش عقیدت و محبت اور روحانی مسرت کا ذریعہ بنیں گے اور ان کی روشنی میں ہم اپنی دنیا و دین کی زیادہ بہتر طور پر تعمیر کر سکیں گے۔

اس کتاب کے مختلف اجزاء کئی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور اب یہ کتاب علمی حلقوں کے شوق و دلچسپی کے پیش نظر مکمل شکل و صورت میں شائع کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ دین کے صحیح فہم اور بزرگوں کے ساتھ صحیح اور سچی عقیدت پیدا کرنے میں معاون ہوگی۔

(مولانا عبید اللہ کوٹی ندوی)

باب اول

قلندری سلسلہ کا مختصر تعارف
خود قلندری بزرگوں کے بیانات کی روشنی میں

قلندری طریق۔ خصوصیات و امتیازات

سر زمین ہند میں تصوف کے جو سلسلے معروف ہیں سہروردی، چشتی، قادری، نقشبندی، یہ سب اپنی تاریخ اور اپنی خدمات کے لیے معروف اور ممتاز ہیں۔ قلندری سلسلہ کی تفصیلی تاریخ کا تذکرہ باب سوم میں کیا گیا ہے۔ یہاں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے قلندری طریق کا ایسا تعارف کرادیا جائے جس سے اس کی خصوصیات واضح ہوں اور دوسرے سلسلوں سے اس کے روابط بھی پردۂ خفا میں نہ رہیں۔

قلندر

یہ نہ تو عربی زبان کا لفظ ہے اور نہ ہی فارسی زبان سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ شاید ترکی زبان سے اس تعلق ہو، یا اسپینی زبان سے کیونکہ مصر میں قلندری طریق کا ابتدائی تعارف، اسپین ہی کے ایک باشندہ یوسف عربی اسپانوی کے ذریعے ہوا تھا[1] مگر یوسف نے جو طرز و انداز اختیار کیا اس کو قلندری طریق سے کوئی مناسبت نہ تھی۔

فصول مسعودیہ میں رسالہ غوثیہ کے حوالہ سے قلندر کے لفظ کے بارہ میں یہ کہا گیا ہے کہ

---

[1] المنجد فی الادب والعلوم : بلفظ قلندر

"القلندر اسم من اسماء الله تعالٰی فی لسان السریانیة".[1]

سریانی زبان میں قلندر کا لفظ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

مگر قلندر لفظ اگر اللہ کا نام ہے تو پھر کسی انسان کے لیے اس کا استعمال کسی طرح مناسب نہیں۔ اس میں بے ادبی کا جو پہلو ہے اسے بوئے ایمان برداشت نہیں کر سکتی۔ جب کہ قلندر کی اصل پونجی اعتراف حق ہے نہ کہ ذات حق میں حلول کرنا جو ایک مشرکانہ عقیدہ ہے۔

بانی سلسلہ:

اس سلسلۂ طریق کا بانی حضرت عبد العزیز عبد اللہ علمبردار مکی کو بتایا جاتا ہے ان سے سید خضر رومی نے استفادہ کیا۔ سید خضر رومی جب ہندوستان آئے تو انھوں نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو قلندری سلسلہ کی اجازت دی اور خود ان سے چشتیہ سلسلہ کی اجازت لی ہندوستان میں قلندری سلسلہ حضرت سید خضر رومی ہی کے ذریعہ پھیلا جس میں قلندری اور چشتی دونوں نسبتیں شامل ہیں۔ اسی لیے اسے قلندریہ چشتیہ طریق کہتے ہیں[2]۔

امتیاز:

شاہ علی حیدر قلندر نے لکھا ہے کہ قلندر "تجرید اور تفرید اختیار کرنے والے کو کہتے ہیں جو سوائے حق کے اور کسی طرف مائل نہ ہو"[3]۔

---

(۱) فصول مسعودیہ ص ۱۲۰ اتحاف الاخیار ص ۵۸ (۲) اخبار الاخیار ص ۴۷۔ اتحاف ص ۴۳

(۳) مصباح التعرف لاہل التصوف ص ۱۹۹

عوام یہ سمجھتے ہیں کہ تجرید اور تفرید کے لیے نکاح اور شادی بیاہ اور اہل و عیال سے دوری لازمی ہے حالانکہ قلندری بزرگوں نے تجرید اور تفرید کے باوجود اہل و عیال سے تعلق رکھا، بلکہ اہل و عیال سے تعلق کو انھوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادئیگی کا ذریعہ بنایا۔ تجرید اور تفرید تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی تشریح قلندری بزرگوں نے اس طرح کی ہے۔

تجرید:

اپنی خودی اور ماسوائے اللہ سے دور ہونے اور حق تعالیٰ کی خودی میں مل جانے کا نام ہے۔ کلام مجید میں ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً، اس سے مراد تجرید محض ہے یعنی سب سے منقطع اور یکسو ہونا اور خدا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا[1]۔

تفرید:

اپنے دل کو ماسوائے اللہ سے خالی کرنا تفرد ہے اور غیر حق کو اپنی نظر سے دور کرنا اور حق کو اپنے میں دیکھنا تفرید ہے[2]۔

ایک اور قلندر بزرگ نے اس طریق کے امتیاز کو واضح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ چاروں سلسلوں (قادری، نقش بندی، سہروردی اور چشتی) میں سے ہر ایک کی بنیاد چار باتوں پر ہے: خاموشی، عزلت، گرسنگی (بھوک) اور شب بیداری اور طریقہ عالیہ قلندریہ میں ذلت، انکسارِ نفس، خوف شدید از حق (خوف الٰہی) اور محبت شیخ یہ چار بنیادیں اصل ہیں:

''فمتی مال الیه نال مطلوبه ووصل الیٰ مشاهدة ربه[3]''

---

(۱) مصباح ص۶۹ (۲) ایضاً ص۷۸ (۳) اتحاف ص۴۹۹

جس نے اس کی طرف توجہ کی اس نے اپنا مطلوب پالیا اور مشاہدۂ حق تک پہنچ گیا۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ ''فرائض کی ادائیگی اور عادات و اخلاق کی درستگی کے بعد'' قلندری حضرات کے نزدیک خلاصۂ کار یہ ہے کہ

''بجز طیب القلب مع اللہ اور عجز و نیستی و حسرت و ندامت کے کچھ نہیں اور در حقیقت یہی اصل جملہ ارکان و شرائط ہے''[1]

یعنی اللہ کے فیصلوں اور احکام پر راضی اور خوش دل ہو۔ اس کی بارگاہ میں اپنے کو بے اختیار اور عاجز تصور کرے۔ جو اعمال خیر کرے ان کی کوتاہیوں پر نظر رہے اور اپنی خامیوں پر ندامت ہو اور جو اعمال خیر نہ کر سکا اِن کی حسرت دل میں رہے، قلندری طریق کے ارکان و شرائط سب کچھ یہی ہیں۔

قلندر نہ ملامتی ہے نہ معروف صوفی، ملامتی اپنی عبادات کو غیر سے چھپاتا ہے اور کسی قسم کی اچھائی کا اظہار نہیں کرتا اور نہ برائیوں کو چھپاتا ہے اور صوفی کا قلب بالکل خَلق میں مشغول نہیں ہوتا ہے اور خَلق کے ردّ و قبول کی وہ پرواہ نہیں کرتا۔ مگر قلندر تجرید و تفرید میں کامل ہو کر ایک طرف اپنے عادات و اخلاق کی تہذیب و درستگی کی کوشش کرتا ہے دوسری طرف اپنی عبادات کے کتم و اخفاء میں کوشاں رہتا ہے[2]۔

بقول شاہ مجا قلندر:

قلندر کسے است کہ از حال و مقامات و کرامات گذشتہ باشد[3]

---

(۱) اتحاف ص ۴۶۷ (۲) ص ۱۱ (۳) ص ۱۲

128597

قلندر ایسا شخص ہے جو حال و مقامات و کرامات (کے اظہار و خواہش ونمائش) سے اپنے کو آگے لے جاچکا ہو۔ یعنی اس کی نظر میں یہ غیر اہم ہو چکے ہوں۔

شاہ نعمت اللہ ولی رسالہ قلندریہ میں لکھتے ہیں:

صوفی منتھی چون بمقصد رسد قلندر گردد[1]

صوفی کا مل جب اپنے نصب العین تک پہنچتا ہے تو وہ قلندر ہو جاتا ہے۔

فقرات خواجہ عبید اللہ احرار نقش بندی میں ہے:

قلندری تجرید حقیقت خود است از موانع ودور کردن انچه از جانب او ست و باقی داشتن انچه از جا نب حق است سبحانه وتعالی و گم کردن خود را بحیثیتے که هر چند خود را جوید نیابد چنانکه مرید ذوالنون مصری قدس سرهٔ از حضرت با یزید بسطامی پر سید که بایزید کجا ست وی گفت که سی سال است که بایزید رامی جویم نمی یا بم اگر تو بتوانی یافت بجو[2]۔

قلندری نام ہے موانع سے اپنے کو الگ تھلگ کر لینے کا اور اس جانب سے اپنے کو دور کرنے کا۔ حق کی جانب جو نسبت ہے اسے باقی رکھنا اس میں اپنی نسبت اس طرح گم کر دینا کہ کتنا ہی ڈھونڈیے اپنی نسبت نہ پائے ۔ جیسا کہ ذوالنون مصری مرید نے حضرت بایزید

(۱) اتحاف ص ۱۳ (۲) ص ۱۳

بسطامی سے پوچھا کہ بایزید کہاں ہے انھوں نے کہا کہ تیس سال ہو گئے میں بایزید کو تلاش کرتا ہوں وہ نہیں ملتا، تم سے ہو سکے تو اس کو تلاش کرلو۔

اپنے ارادہ، اپنی خواہش، اپنے تقاضے اور اپنے وجودی نفسانی مطالبات کو فنا کر دینا اور فرمان الٰہی کا تابع ہو جانا یہ قلندر کا مقصد اور منتہا ہے جس کو الگ الگ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ کہیں انداز عام فہم ہے اور کہیں ایسا جو تصوف کی خاص زبان و اسلوب کی وجہ سے عام فہم نہیں مگر حق کی معرفت، رذائل اخلاق سے دوری، خدمت خلق، خدائے بے نیاز کے حضور میں نیاز مندی اور خلق خدا میں ارادۂ الٰہی کی تکمیل و تعمیل ہی مقصود اصلی ہے۔

قلندرانہ ذوق و مشرب:

چشتی، قادری، سہروردی اور نقش بندی سلسلے ایک خاص طریق تربیت کے علاوہ اپنا ایک خاص ذوق و مزاج بھی رکھتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ سالک نے بیعت تو ایک سلسلہ میں کی مگر اس پر کسی دوسرے طریق کا ذوق غالب آ گیا چنانچہ مولانا حمید شاعر قلندر کے بارہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ وہ اگرچہ چشتی خانقاہ سے وابستہ تھے اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے بیعت و تربیت کا تعلق رکھتے تھے مگر ان کی نوعمری ہی میں سلطان المشائخ نے ان کے والد سے فرمایا کہ:

> مولانا تاج الدین! خاطر جمع رکھو۔ یہ لڑکا قلندر ہو گا۔[1]

شیخ محمد چشتی دہلوی مطلوب الطالبین میں خانوادہ قلندریہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ ہر سلسلہ میں سے جو شخص ابدال کے مرتبہ پر پہنچا وہ قلندر مشرب

---

(۱) اخبار الاخیار ذکر حمید شاعر قلندر۔ اردو ترجمہ ص ۱۵۹

ہوا۔ جیسے حضرت شمس تبریز، مولانا ئے روم، مولانا فخرالدین عراقی سہر وردی (م ۶۸۸ھ)، حافظ شیرازی، خواجہ مسعود بک چشتی وغیرہ دیگر خاندان کے حضرات قلندر مشرب تھے[1]۔

شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری مرأۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ:

بارھویں خانوادہ میں حضرات قلندریہ ھیں اور یہ حضرات مختلف سلاسل کے بزرگانِ دین ھیں جنھوں نے مشرب قلندریہ اختیار کر لیا ھے .... ابدال اکثر اسی مشرب میں ھوتے ھیں[2]۔

شیخ محمد اکرم چشتی اقتباس الانوار میں خانوادہ قلندریہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیری (خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر) اور ان کے خلیفہ حضرت سید شمس الدین ترک پانی پتی قلندر مشرب تھے، حضرت سید محمد گیسودراز (خلیفہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی) بھی قلندر مشرب تھے۔ یہ اشعار انھیں کے ہیں:

زمین و آسماں ہر دو شریف اند
قلندر را دریں ہر دو مکاں نیست

نظر در دیدہا ناقص فتادہ
وگرنہ یارِ من از کس نہاں نیست

حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت سید محمد بن جعفر مکی (دفین سرہند) بھی قلندر مشرب تھے اور یہ اشعار ان کے دردِ دل کے ترجمان ہیں:

اندر رہ عشق سرسری نتواں رفت
نادیدہ رہِ قلندری نتواں رفت

(۱) اتحاف ص ۱۴ (۲) ایضاً ص ۱۵

خواہی کہ پس از کفر بیابی ایمان
تاجان ندہی بہ کافری نتواں رفت[1]

حضرت خواجہ مسعود بک چشتی جو شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے صاحبزادہ شیخ رکن الدین کے خلیفہ ہیں وہ بھی قلندر مشرب اور بڑے عارفِ بے باک تھے ان کا ایک شعر یہ ہے:

مجرد شو از دین ودنیا قلندر
کہ راہِ حقیقت ازیں ہر دو برتر

حضرت مخدوم شیخ عبدالحق ردولوی (خلیفہ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی چشتی) اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا بھی یہی مشرب تھا۔ شیخ جلال الدین قریشی بھی قلندر مشرب تھے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اپنے والد شیخ سیف الدین کے بارہ میں اور ان کے شیخ حضرت شیخ امان پانی پتی کے بارہ میں یہ تصریح کی ہے کہ وہ قلندر مشرب تھے۔

شیخ امان پانی پتی کو دو واسطوں سے مشرب قلندریہ میں شاہ نعمت اللہ ولی سے فیض ملا تھا اور شیخ امان سے شیخ سیف الدین کو خلافت عطا ہوئی[2]۔

حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے صاحبزادہ خواجہ خورد عبید اللہ اور حضرت شاہ گلشن نقش بندی مجددی بھی قلندر مشرب تھے[3]۔

قلندری ہیئت:

اصول المقصود میں ہے کہ:

مخفی مباد کہ حضرت شاہ عبدالعزیز

---

(۱) اتحاف ص ۱۵ (۲) اخبار الاخیار ص ۳۴۶۔۳۴۷ (۳) اتحاف ص ۱۶

مکی ... بسبب کبر سن مو یهائے وے ریخته بود وازیں جهت حلق لحیه را صورت قلندر یه نامیدند نه آنکه هر که ازیں سلسله باشد وے حلق می نماید چرا که بعد حضرت سید نجم الدین غوث الدهر قلندر هیچ کسے از پیران ایں سلسله حلق نه نموده وایں طریق موقوف شد.

یه بات مخفی نه رہے که شاه عبدالعزیز مکی کے بال سن وسال کی زیادتی کی وجه سے جھڑ گئے تھے اور اسی مناسبت سے حلق لحیه کو صورت قلندر یه کا نام دیا گیا ہے یه مطلب نہیں که اس سلسله سے جس کا بھی تعلق ہو وہ حلق لحیه ضرور کرے ، کیونکه سید نجم الدین غوث الدهر قلندر کے بعد اس سلسله کے پیروں میں سے کسی نے بھی حلق لحیه نہیں کیا اور یه رسم موقوف ہو گئی۔

مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد شیخ تقی حیدر قلندر لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ طریق حلق وغیرہ طریقۂ قلندریہ نہیں ہے بلکہ یہ پیروانِ حضرت میر سید جمال الدین مجرد ساوَجی کا طریقہ ہے[1] اور شیخ عبدالعزیز علمبردار مکی کے خلیفہ اور ہندوستان میں قلندری طریق کے اصل بانی حضرت سید خضر رومی کو ایک روایت کے مطابق حضرت میر سید جمال الدین مجرد سے سلسلۂ طیفوریہ کی اجازت حاصل ہوئی تھی[2] اور حضرت میر سید جمال الدین مجرد کے بارہ میں شاہ مراد علی (خلیفہ قاضی محمد تقی قلندر) اپنی کتاب مرادالمریدین میں لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) اتحاف ص ۴۰ (۲) ایضاً ص ۳۹

"وہ چار ابرو کا صفایا کیا کرتے تھے اور کمر میں چمڑا لپیٹتے تھے" اس لیے آپ نے (سید خضر رومی نے) بھی یہی وضع اختیار کر لی[1]۔

مگر جیسا کہ اصول المقصود نے وضاحت کردی ہے کہ داڑھی منڈانا یا چار ابرو کا صفایا کرنا قلندری طریقہ نہیں ہے اگرچہ اسے قلندرانہ صورت کہہ دیا کرتے تھے۔ یہی صورت حال سید خضر رومی کے ساتھ بھی ہوئی وہ قلندر تھے مگر سید جمال مجرد سے وابستگی اور ان سے قدرے نسبت کا یہ اثر ہوا کہ "انھوں نے بھی یہی وضع اختیار کرلی" اور ایک طویل عرصہ تک اسی ہیئت اور نسبت کا غلبہ رہا اس کے بعد پھر کیا ہوا پوری تفصیل قدیم تصنیف رسالہ غوثیہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مصنف خود ایک واسطہ سے سید خضر رومی سے مستفید ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

> قال الراوی سمعت الغوث یقول ان شیخنا الاجل الکبیر العارف بحقائق اسرار الالوھیۃ السید خضر الرومی قدس سرہٗ کان فی صورۃ القلندر یۃ مدۃ ثم فی آخر العمر خلّی المحاسن الشریفۃ مدۃ سنۃ او ستۃ اشھر ثم توفّی، مضجعہ طھر و طاب وما صار معیلا و ھکذا توفی[2]۔

راوی نے کہا کہ میں نے حضرت غوث سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ بزرگ، اسرار الوہیت کے حقائق کے عارف سید خضر رومی ایک

(۱) اتحاف ص ۴۰ (۲) فصول مسعودیہ ص ۱۳۔ اتحاف ص ۳۸

مدت تک قلندر صورت رہے۔ مگر پھر آخر عمر میں
جو سال بھر یا چھ مہینہ تک کی مدت ہوتی ہے
انھوں نے داڑھی چھوڑدی تھی اسی حال میں ان کا
انتقال ہوا۔ خواب گاہ ان کی پاک وصاف رہے۔ انھوں
نے نکاح نہیں کیا تھا اور اسی حال میں وفات پائی۔

سید خضر رومی کے خلیفہ سید نجم الدین دہلوی ہوئے ان کو غوث الدہر کہا جاتا ہے۔ انھیں کے حالات میں ''رسالہ غوثیہ''خود ان کے ایک مرید و خلیفہ (شیخ حسین سرہرپوری) کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس سے شاہ تقی حیدر قلندر نے جگہ جگہ استفادہ کیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

(سید نجم الدین قلندر) مدت العمر بے ریش و بروت (داڑھی مونچھ کے بغیر) رہے. آخر میں پندرہ سال وفات سے پہلے داڑھی رکھ لی تھی اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کے حسب ارشاد نکاح کیا اور صاحبِ عیال ہوئے .

اصول المقصود کی یہ عبارت ایک بار پھر ذہن نشیں کرلیجیے کہ:

بعد حضرت سید نجم الدین غوث الدهر قلندر هیچ کسے از پیران این سلسله حلق نه نموده و ایں طریق موقوف شد.

سید نجم الدین غوث الدہر کے بعد قلندری
سلسلہ کے کسی بھی شیغ اور پیر نے حلق نہیں کیا اور
یہ طرز عمل موقوف ہو گیا۔

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے قلندری شیخ حضرت عبد

العزیز علم بردار مکیؒ کے بال تو طول عمر کی وجہ سے جھڑ گئے تھے اس کے بعد سید خضر رومیؒ دوسری نسبت کے غلبہ کی وجہ سے ایک عرصہ تک بے بال و پر رہے مگر آخر عمر میں انھوں نے داڑھی رکھ لی تھی۔ ان کے خلیفہ سید نجم الدین غوث الدھر کا بھی ایک عرصہ تک یہی حال رہا مگر انھوں نے بھی آخری عمر میں داڑھی رکھ لی اور ان کے بعد قلندری طریق کے مشائخ اور پیران سلسلہ داڑھی رکھتے رہے۔ قلندری بزرگوں کے جو ملفوظات ملتے ہیں ان میں بھی اتباع شریعت کی تاکید اور سنت رسول ﷺ کی پیروی، اس پر شدید اصرار اور اسی کی تعلیم ملتی ہے۔ اب اگر کہیں بے راہ روی نظر آئے تو ہمیں شاہ تقی علی قلندرؒ کا یہ قول یاد رکھنا چاہئے کہ:

وجماعتیکه گرد نهائیے خود از ربقهٔ اتباع شریعت حقه علی صاحبها الصلوٰة والسلام واقتداء سلف صالح درعلم وعمل برآورده وازاوصاف مذکورهٔ اهل کمال بیگانهٔ محض اند نام صوفی و ملامتی وقلندری برایشان عاریت است. نه حقیقتاً. قادری باشند یا قلندری، چشتی باشند یا نقش بندی[1]۔

ایک گروہ نے اتباع شریعت کی بندش اور سلف صالح کی اقتداء سے علم وعمل دونوں میں اپنی گردنیں آزاد کرلی ہیں۔ وہ اہل کمال کی صفات سے عاری اور بیگانۂ محض ہیں، صوفی

---

(۱) روض الازہر ص ۷۰

ملامتی اور قلندری کا نام ان کے لیے عاریت اور آورد ہے حقیقت نہیں۔ وہ قادری ہوں یا قلندری، چشتی ہوں یا نقش بندی۔

قلندری لباس:

ابتدا میں قلندری بزرگ کسی خاص لباس کے پابند نہ تھے۔ تہبند و مرزئی و کلاہ اور کبھی سفید کرتا زیب تن کرتے[۱]۔ سید نجم الدین قلندر دہلوی کے خلیفہ شیخ نصیر الحق قلندر (م ۹۱۵ھ نیگوپر گنہ ماہُل ضلع اعظم گڑھ) آغاز سلوک میں اپنے پیران سلسلہ کی پیروی میں قلندرانہ لباس میں رہتے تھے مگر آخر میں یہ لباس ترک کر کے خرقۂ صوفیہ پہن لیا تھا۔ تقویٰ کی حدود سے کبھی سر مو تجاوز نہیں کیا[۲]۔ ایسے ہی دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین بینادلؒ نے بھی اپنے زمانہ کے اعیان و مشائخ کا لباس اختیار فرمایا۔ کبھی جامہ و دستار اور کبھی کچھ اور۔ ان کے صاحبزادہ شیخ محمد قطب قلندر نے لباس قلندری اختیار کیا۔ ان کے بعد شاہ عبدالسلام قلندر کا بھی وہی لباس رہا۔ شاہ عبدالقدوس قلندر جونپوری ایک زمانہ تک مرزئی اور تہبند پہنتے رہے پھر آخر میں اپنے اب وجد کی وضع (لباس قادری) کو اختیار فرمایا۔ ان کے بعد شاہ مجا قلندر لہرپوری نے جامہ ونیمہ و دستار کو اختیار فرمایا۔ دستار کبھی سفید اور کبھی سیاہ ہوتی۔ شاہ اللّٰہد یہ لاہرپوری کے پوتے شاہ عبداللطیف قلندر (جو شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری کے بھتیجہ اور خلیفہ ہیں) تک یہی لباس رہا۔ شاہ عبدالرحمٰن ثانی نے البتہ اتنا تغیر فرمادیا تھا کہ کبھی قمیص بلا آستین یعنی کفنی یا الفی پہنی اور کبھی قمیص فراخ آستین مگر دستار ان کی بھی ہمیشہ سفید رہی[۳]۔

---

(۱) اتحاف ص ۱۰۳ (۲) ایضاً ص ۹۴ (۳) ایضاً ص ۱۰۳

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قلندری بزرگوں نے اگرچہ کسی ایک لباس کی پابندی نہیں کی مگر لباس ساتر کے وہ ہمیشہ سے پابند رہے ۔ بہت سے بے راہ روصوفی اور فقراء جو شریعت سے آزاد ہوکر اپنے تن بدن سے بھی ہوش وحواس کی سلامتی کے باوجود بے پروا ہو گئے ان کو عام لوگ اگر چہ قلندر سمجھنے لگے ہوں اور وہ اس نام سے شہرت بھی پا گئے ہوں مگر ان کو اس نسبت اور قلندری طریق سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔

ذکرالٰہی کی اہمیت:

تصوف کے دوسرے سلسلوں کی طرح قلندری سلسلہ میں بھی ذکر الٰہی پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے اور جس طرح ان میں قرآن و سنت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے طرز پر ذکر الٰہی کی مشق اور خدا کی حقیقی معرفت پیدا کرنے کے لیے سالک کے ذوق و مزاج کے مطابق مختلف تربیتی طریقے اپنائے گئے ہیں اسی طرح قلندری سلسلہ میں بھی ذکر جاروبی، ذکر اسدی، ذکر رباعی، پاسِ انفاس اور ذکرِ ثلاثی گنبدی وغیرہ کے نام سے سالک کو مختلف مرحلوں سے گزارا گیا ہے۔ کہیں سالک کو اختیار دیا گیا اور کبھی اس کے لیے تخفیف کردی گئی ۔ البتہ منزل کا اختتام اور کارِ ذکر کا انجام ہر جگہ وہی ہے جس کی نشان دہی قرآن مجید اور احادیث پاک میں کی گئی ہے۔ شیخ نجم الدین دہلوی فرماتے ہیں:

"ان الذکر علی اربعة اقسام ذکر باللسان وذکر بالقلب وذکر بالروح و ذکر بالسر"[1]

ذکر چار طرح ہے، زبان سے، دل سے، روح سے اور سر سے۔

---

(۱) اتحاف ص ۷۰ بحوالہ رسالہ غوثیہ

پھر فرماتے ہیں کہ دل غافل ہو اور زبان ذکر کرے تو یہ ایک رسم وعادت ہے۔ دل کا ذکر یہ ہے کہ خدا کی نعمتیں اور سزائیں یعنی عذاب وثواب ذہن نشیں رہیں۔ روح کا ذکر یہ ہے کہ خدا کی ہیبت اور جلال پر نظر ہو اور سر کا ذکر یہ ہے کہ مشاہدۂ حق کی کیفیت ہمہ وقت میسر ہو[1]۔

بہر حال ذکر اور اس کے مختلف طریقے تصوف کے تمام ہی سلسلوں میں تربیت کا اہم جزء رہے ہیں یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں اس کے لیے مجاہدات الاولیاء اور ایسی ہی دوسری کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ چیز قال کی نہیں بلکہ حال کی طالب ہے یہاں علم نہیں بلکہ عملی ریاض کی ضرورت ہے ۔اس کے لیے کتاب خوانی کے بجائے کسی متبع شریعت، دیانت دار اور فہیم رہبر سے تربیت اور تعلق ضروری ہے تاکہ دل کے اوراق کھلیں اور سرزمین دل میں صحیح طریقہ سے ایمان کا تخم بزرگ وبار لائے۔

فرائض کی پابندی اور جذب وسکر:

ذکر وعبادت میں انہماک اور بعض نفسیاتی اسباب کی وجہ سے کبھی کبھی بعض بزرگوں کے یہاں سکر ومستی کے غلبہ یا جذب کے اثر سے فرائض وآدابِ شریعت کی رعایت جاتی رہی۔ مولائے روم فرماتے ہیں:

درچنیں مستی مراعاتِ ادب
می نباشد وربود باشد عجب

(۱) ترجمانی وتلخیص عبارت رسالہ غوثیہ۔ اتحاف ص ۷۰

لیکن پھر بھی بزرگان شریعت اور مشائخ تصوف دونوں نے اور قلندری بزرگوں نے بھی جذب و مستی میں آداب شریعت سے بے پروائی کو اچھا نہیں سمجھا۔ قاضی مینا قلندر مہونوی (م ۱۱۲۹ھ) فرماتے ہیں:

استغراق کے باوجود راہِ شریعت فوت نہ ہونی چاہیے اور اس راہ کے تمام راہ رواس بات سے غافل نہ رہیں کیوں کہ مرتبۂ حقیقت میں راہِ شریعت نہ چھوٹنی چاہیے۔[1]

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا ارشاد ہے کہ فرقۂ قلندریہ کو ایسا طیبِ قلب، سرورِ حق اور مشاہدہ ہوتا ہے اور سکرِ حال اور مستی باطن ان پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ ان کے اعمال ظاہری یعنی نوافل اور آداب تناولِ لذات و مباحات میں قلت ہو جاتی ہے وہ محض سرور و حضورِ باطن پر اکتفا کرتے ہیں مگر ترک فرائض نہیں کرتے۔[2]

مذکورہ بالا ارشاد نقل کر کے شیخ رکن الدین اپنے والد شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی رائے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:

شیخ الشیوخ نے شرع کی رعایت کی جو یہ فرمایا حالانکہ میں نے حضرات قلندریہ سے ترکِ فرائض ہوتے بھی سنا ہے جیسے حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر اور خواجہ محمد ماہ قلندر وغیرہ۔ اور میں نے خود حضرت شیخ حسین سرھر پوری قلندر کو

(۱) فیوض العارفین ص ۲۷ (۲) لطائفِ قدوسی مولفہ شیخ رکن الدین۔ دیکھئے اتحاف ص ۱۳

دیکھا ہے جو باوجود عالم متبحر ہونے کے بالکل تارک فرائض تھے۔ ایک روز میں نے ان کی بابت حضرت شیخ محمد فخرالدین جونپوری سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ وہ قلندر ہیں اور ہم صوفی[1]۔

اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ:

ترکِ فرائض من حیث الظاہر کا طعن ہم نہیں کرسکتے اس لیے کہ حضرت حق نے ان حضرات کو مرتبۂ روحی ایسا عطا فرمایا ہے کہ ایک حال اور ایک وقت میں بتجسّدِ ارواح اپنے کو کئی جگہ دکھاسکتے ہیں۔ اگرایک مقام پر ترک فرائض کرتے ہوں تو کیا عجب کہ دوسرے مقام پر فرائض اداکرتے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دار ومدار تکالیف شرعیہ کا عقل پر ہے اور چونکہ ان کی عقلیں بوجہ غلبۂ حال مغلوب ہوجاتی ہیں تو وہ اہلِ سکر کے حکم میں ہیں اور سکاریٰ پر تکالیفِ شرعیہ نہیں ہیں۔ السکاریٰ معذورون، لہٰذا وہ بھی غیرمکلّف اور حدود شرعیہ سے آزاد ہیں اگر چہ بعض امور میں ان سے ہوشیاری ظاہر ہو[2]۔

---

(۱) اتحاف ص ۱۳ بحوالہ لطائف قدوسی (۲) ص ۱۴

شاہ ابو محمد قلندر جو شیخ فتح قلندر (م ۱۱۱۸ھ نظام آباد اعظم گڑھ) کے مرید و خلیفہ تھے اکثر اوقات ان پر سُکر و استغراق طاری رہتا تھا۔ ایک دن لوگوں نے ان کے شیخ شاہ فتح قلندر سے عرض کیا کہ اور مریدین تو پابندِ شرع ہیں لیکن میاں شاہ ابو محمد نماز نہیں پڑھتے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ زمرۂ عشاق میں ہیں ان اللّٰہ لا یؤاخذ العشاق بماصدر منھم۔ وہ بیشتر محو اور مستغرق رہتے ہیں والسُّکاریٰ معذورون، کیا ان کی نماز دیکھو گے؟ سب نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ تب وہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ (شاہ ابو محمد) کو امام بنایا۔ ان پر جو سُکر طاری ہوا تو دیر ہوئی۔ حضرت شاہ فتح محمد نے یہ دیکھ کر کہ ان پر استغراق طاری ہو چلا ہے نیت توڑ دی اور خود امام ہو کر نماز پڑھا دی۔ شاہ ابو محمد حالت سُکر میں کئی دن تک اسی طرح کھڑے رہے۔[1]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قلندر بزرگوں کے یہاں کامل طور پر پابندیٔ شرع کی تعلیم دی گئی ہے۔ ترک فرائض کے جو واقعات ملتے ہیں وہ جذب و سُکر کے غلبہ کی وجہ سے ہوئے ہیں اور تصوف کے دوسرے خانوادوں میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ سکر اور جذب کی حالت میں خود شریعتِ اسلامیہ بھی آدمی کو ذمہ دار قرار نہیں دیتی اس لیے ایسے واقعات در گذر کے مستحق ہیں اور بعض حالات میں تو خود حاجبِ حال کے لیے محمود بھی ہیں کہ وہ ذکرِ الٰہی اور شغل حق میں ہے اور اجر و ثواب اور ترقی درجات کا مستحق ہے اور آداب کی رعایت جو رہ گئی ہو اس پر اپنے مالک اور مولیٰ کے حضور میں معذور ہے۔ جب خالق کا یہ دستور ہو تو مخلوق کے شکوہ کرنے سے کیا حاصل؟ اور جب مالک یوم الدین ایسا عذر قبول کرنے کو تیار

---

(۱) اتحاف ص ۲۶۳

ہوتو بندوں کے واویلا کرنے سے کیا فائدہ؟ ہاں ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ اگر کسی سے آداب کی رعایت ترک ہو رہی ہو تو محتسب اپنے فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے مامور بھی ہے تا کہ شریعت کی پاسداری ہو اور دین وشریعت کو لہو ولعب اور کھیل تماشا نہ بنالیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کا وزن اور ان کی بات کا وقار باقی رہے بہر حال دین کے اس دنیا میں بھیجنے اور طاعت وعبادت کا ماحول بنانے سے جو نظم عبادت اور نظام خلافت مقصود ہے وہ حاصل ہو اور راہ کی رکاوٹیں دور ہوتی رہیں اس کے لیے ضروری تھا کہ ان لوگوں کو تو معذور قرار دیا جائے جو ہوش وخرد کھو چکے ہوں اور ان لوگوں کو بے راہ روی اور بے قیدی سے بچایا جائے جو ہوش وحواس کی سلامتی اور عقل وخرد کی بحالی کے ساتھ زندگی گذار رہے ہوں۔

فقیرِ ہوش مند:

قلندر بزرگوں نے اپنے لیے جو راہ عمل تجویز کی، خدمت خلق اور تربیت نفس کے جو طریقے اختیار کیے، ذکر وعبادت کا ماحول جس جوش و سرمستی کے ساتھ ہو حق اور الا اللہ کی تکبیروں سے گرم رکھا، وہ جس طرح امتیازِ من وتو سے دور رہے اور انسانوں کے کام آئے، طاعتِ حق کے لیے نفس کو زیر کیا اور اتباع رسول کا شدید جذبہ پیدا کیا ان سب باتوں کے لیے قلندر نہ تو شرمسار ہے اور نہ ہی نادم اور شرمندہ۔ وہ اس بے خودی میں بھی خود کو واصل بحق کرنے کے لیے بے قرار ہے اور اپنی خودی کو خدا کی ذات میں فنا کرنے کے لیے تیار۔ اس لیے وہ اپنی کارگزاری میں ناسمجھی سے نہیں بلکہ ہوشیاری سے کام لے رہا ہے۔ حضرت نجم الدین قلندر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

قلندر چالاک فقیر است[1] قلندر ایک فقیر ہوشمند ہے

تصوف کے دوسرے خاندانوں سے تعلق:

سید خضر رومی کے بارہ میں شاہ تقی علی قلندر فرماتے ہیں:

ازاعاظم خلفائے حضرت شاہ عبدالعزیز مکی قلندر اندو نعمت چشت از خواجہ قطب الدین بختیار اوشی نیز یافتہ

وہ حضرت شاہ عبدالعزیز مکی قلندر کے اکابر خلفاء میں سے ہیں اور نسبت چشتیہ انہوں نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے حاصل کی:

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

سید خضر رومی جب دہلی پہنچے تو خواجہ نے اپنی طرف سے خلافت نامہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ چونکہ حضرت خواجہ کی عمر کم تھی اور حضرت سید خضر رومی کبیر السن تھے اس لیے سید رومی نے فرمایا لوگو! دیکھو یہ بچہ میرے ساتھ کھیل کرتا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے، میں اپنی خواہش سے ایسا نہیں کر رہا ہوں۔ اس کے بعد حضرت رومی کو بھی طریق چشتیت لینے کا امر ہوا چنانچہ وہ بذاتِ خود خواجہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے ان سے چشتیہ طریقہ اور کلاہ لیا۔ اذ کارِ چشتیہ ملاحظہ میں آئے تو فرمایا:

چشتیاں خدا را مفت یافتند[2]۔

چشتیوں نے خدا کو مفت میں پالیا

یہ اظہار تھا اس بات کا کہ حضرت سید رومی نے طریق چشت کو پسند فرمایا اور یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ قلندری طریق کے مقابلہ میں اہلِ چشت کے اذکار و اشغال آسان تر ہیں۔

---

(۱) اتحاف ص ۷۰ (۲) روض الازہر ص ۱۶۶

قلندرانِ آزاد بھی[1]:

قلندری بزرگوں میں کچھ تو تکیہ دار یعنی باقاعدہ خانقاہ نشیں تھے اور کچھ لیل ونہار کی گردش کے ساتھ ہی اپنی جگہ اور مقام بدلتے رہتے تھے۔ اور جہاں کہیں سے گذرتے وہاں کے سجادہ نشینوں اور خانقاہ نشیں بزرگوں کو بیدار رہنے کی آگاہی دے جاتے۔ ہم یہاں دونوں قسم کے قلندر بزرگوں کے ملے جلے واقعات لکھ رہے ہیں تاکہ دونوں کا رنگ سامنے آجائے اور دونوں کی خدمات کی نوعیت کا بھی اندازہ ہو سکے۔ آپ دیکھیں گے کہ سہروردی اور چشتی خانقاہوں میں قلندرانِ آزاد کی کس طرح نازبرداری ہوتی رہی ہے۔

بابا فریدؒ گنج شکر کے پاس:

ایک بار ایک درویش حضرت فرید الدین گنج شکر کی خانقاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ حجرہ میں مشغول تھے، وہ جب حجرہ میں تشریف لے جاتے دروازہ بند کر لیتے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی، درویش قلندر حضرت خواجہ کے گلیم سجادہ پر آکر بیٹھ گیا۔ شیخ بدرالدین اسحاق موجود تھے، وہ ادب کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے اور کچھ کھانا لا کر قلندر کے سامنے رکھا۔ قلندر نے کہا میں پہلے حضرت شیخ کو دیکھوں گا تب کھانا کھاؤں گا۔ انھوں نے کہا حضرت شیخ اندر مشغول ہیں وہاں کوئی نہیں جا سکتا تم یہ کھانا کھاؤ اس کے بعد میں شیخ کی خدمت میں لے چلوں گا۔ درویش نے کھانے میں ہاتھ ڈالا اور پھر اپنے جھولے سے وہ گھاس نکالی جس کو درویش کھاتے

---

(۱) اس کی کچھ تفصیل "بالکہ اور فقیر آزاد کا مفہوم باب سوم حالات مظہر کل شاہ قلندر پر ملاحظہ ہو

ہیں اوراپنے کجکول میں خمیر بنانے لگا۔اس کا کچھ پانی شیخ کے سجادہ پر گرا، شیخ بدرالدین اسحاق نے آگے بڑھ کر کہا دور ہو جاؤ،اس پر قلندر نے شور کیا اور کجکول اٹھائی تا کہ شیخ بدرالدین اسحاق کو مارے، شیخ الاسلام حجرہ سے باہر آئے اور فرمایا: قلندر! میرے واسطے بخش دو۔ قلندر نے کہا، درویش ہاتھ نہیں اٹھاتے اور جب اٹھاتے ہیں تو پھر نیچے نہیں لاتے۔ حضرت شیخ نے فرمایا: اچھا اس دیوار پر مار دو، قلندر نے وہ کجکول دیوار پر ماردی، دیوار گر پڑی[1]۔

شیخ نجیبؒ الدین متوکل کے مہمان:

بابا فرید کے چھوٹے بھائی اوران کے ممتاز خلیفہ شیخ نجیب الدین متوکل (م ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء) کے گھر میں کبھی فاقہ رہتا،ایک سال عید کا دن تھا، لوگ اپنی عقیدت اور محبت کی وجہ سے ان کے ہاتھ اور پیروں کا بوسہ دے رہے تھے۔ کچھ خراسانی قلندروں پر شیخ کی بزرگی کا گہرا اثر پڑا،انھوں نے کہا: اے شیخ! تم اس شہر میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہو، آج ہم تمہارے ہی گھر مہمان رہیں گے اور کھانا کھائیں گے۔ شیخ نے فرمایا: مرحبا، خوش باش۔ یہ کہہ کر گھر آئے تو بیوی نے بتایا کہ بچوں کو بھی فاقہ کرتے دو دن ہو گئے ہیں شیخ نے کہا کہ کوئی چادر ہو تو وہی دے دو اسی کو بازار میں فروخت کر کے کچھ خرید لاؤں۔ چادر دیکھی تو اس میں کئی پیوند لگے تھے جو کوئی نہ خرید تا، مجبورا پانی کا کوزہ اور قدح (لکڑی کا پیالہ) اٹھا کر لائے اور قلندروں سے کہا یارو! معاف کرو۔ میرے پاس صرف یہی ماحضر ہے جو پیش کیا جارہا ہے۔ وہ قلندر بھی اہل دل تھے، انھوں نے بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ پانی پیا اور شیخ نجیب

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۱۶۱، بحوالہ مجلس ۳۸ خیر المجالس

الدین کے ہاتھ پاؤں چومے اور رخصت ہو گئے۔ جب شیخ نجیب الدین متوکل اپنی عبادت کے حجرہ میں گئے تو خیال آیا کہ افسوس آج عید کا دن ہے مگر میرے بچوں نے فاقہ کیا اور میرے مہمان بھی یہاں سے محروم گئے لیکن جب گھر آئے تو دیکھا کہ صحن میں طرح طرح کے کھانوں سے بھرا ہوا ایک خوان رکھا ہے۔ بیوی سے دریافت کیا کہ یہ کون لایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک مرد آیا تھا میں نے اس سے پردہ کیا اور وہ یہ خوان گھر میں رکھ کر چلا گیا۔ یہ سنکر شیخ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ بے نوائی کی برکت ہے[1]۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں:

(۱) شیخ ابو بکر طوسی حیدری، قلندر مشرب تھے ان میں اور شیخ جمال الدین ہانسوی (خلیفہ بابا فرید گنج شکر) میں بڑی محبت تھی۔ یہ جب دہلی تشریف لاتے تو شیخ ابو بکر طوسی کی خانقاہ میں دریائے جمنا کے کنارے ٹھہرتے۔ درویشانہ صحبت رہتی اور سماع سنتے، حضرت سلطان المشائخ بھی وہاں تشریف لے جاتے اور شریک مجلس ہوتے[2]۔

(۲) سلطان علاء الدین خلجی (۷۱۶ھ-۶۹۶ھ / ۱۳۱۶ء-۱۲۹۶ء) نے اپنے ایک فوجی سردار کافور کو ورنگل کی فتح کے لیے بھیجا ایک عرصہ تک کوئی خبر نہ ملی۔ حالت اضطراب میں اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ لشکر کی خبر نہ ملنے سے مجھ پر گرانی طاری ہے۔ حضرت

---

(۱) ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں حصہ اول ص ۶۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ (۲) اخبار الاخیار ص ۱۰۷ بحوالہ خیر المجالس ص ۷۶-۷۵ و سیر العارفین

خواجہ نے فتح کی بشارت دی اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اور بھی فتوحات کی توقع ہے۔ چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی۔ بادشاہ نے اس خوشی میں پانچ سو اشرفیاں بھیجیں۔ اس وقت حضرت خواجہ کے پاس ایک خراسانی قلندر بھی موجود تھا۔اس نے حضرت خواجہ سے کہا کہ الھدایا مشترک (ہدیئے مشترک ہوتے ہیں) حضرت خواجہ نے فرمایا کہ: تنہا خوشترک یعنی تنہا ایک ہی کو مل جائے تو زیادہ بہتر ہے۔اور یہ کہہ کر وہ اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں(۱)۔

(۳) حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ/ ۱۳۲۴ء) کی پوری زندگی جذب و سکر میں گزری۔ ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت بو علی قلندر کو کچھ نذر پیش کرنی چاہی لیکن اس کو یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی نذر قبول نہیں کرتے۔ دربار کے امیروں نے رائے دی کہ اگر حضرت نظام الدین اولیاء کی وساطت سے تحفہ بھیجا جائے تو وہ ضرور قبول کرلیں گے۔ بادشاہ نے امیر خسرو کو حضرت سلطان الاولیاء کے پاس اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت خواجہ نے پہلے تامّل کیا پھر اپنے محبوب مرید کو نذر لے جانے کی اجازت دیدی لیکن یہ بھی نصیحت فرمائی کہ جو کچھ بو علی قلندر کہیں اس کو تسلیم کرنا معترض نہ ہونا۔ یہ بھی فرمایا کہ بو علی قلندر عاشق اللہ ہیں۔ امیر خسرو دہلی سے پانی پت تین روز میں پہنچے اور جب وہ حضرت بو علی قلندر کی قیام گاہ پر آئے تو خدام سے

---

(۱) سچی کہانیاں ص ۹۰ بحوالہ سیر العارفین ذکر خواجہ نظام الدین اولیاؒ

کہلا بھیجا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھیجا ہوا خسرو خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ حضرت بو علی قلندر نے ان کو اپنے پاس بلایا اور جب وہ جا کر بیٹھے تو فرمایا کہ کچھ سناؤ۔ امیر خسرو نے اپنی ایک غزل شروع کی جس کا مطلع یہ تھا:

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراق یار نیست
گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

غزل سنکر حضرت بو علی قلندر خوش ہوئے اور امیر خسرو کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خسرو! خوش رہو گے اور خوش ہو جاؤ گے۔ پھر خود ہی ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

ویہیم خسرواں بر نعل اشتر است
خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید بر سر است[1]

حضرت بو علی قلندر کی زبان سے یہ غزل سن کر امیر خسرو بہت روئے۔ حضرت بو علی قلندر نے ان سے پوچھا کہ کچھ سمجھے بھی؟ امیر خسرو نے عرض کیا کہ رونا اسی کا ہے کہ کچھ نہ سمجھا۔ اس جواب سے بو علی قلندر خوش ہوئے اور سلطان کی نذر بھی قبول کر لی اور فرمایا اگر خواجہ نظام الدین اولیاء کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہر گز قبول نہ کرتا۔ پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز و اکرام کے ساتھ خانقاہ میں رکھو۔ تین دن ٹھیر کر امیر خسرو نے واپس ہونے کی اجازت مانگی۔ رخصت کرتے وقت حضرت بو علی قلندر نے ایک خط تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں تحریر فرمایا اور ایک خط بادشاہ کو اس طرح لکھا:

"علاء الدین فوطه دار دهلی مقرر داند
که بابندگان خدائے تعالیٰ نیکو کند"

---

(۱) بزم صوفیہ طبع چہارم ۱۹۸۴ء ص ۲۹۱

جب یہ خط سلطان علاء الدین خلجی کو ملا تو درباری امیروں نے کہا کہ بادشاہ کو اس طرح خط لکھنا سوء ادب ہے لیکن سلطان نے کہا: غنیمت ہے کہ اس ذرۂ بے مقدار کو فوطہ دار (خزانچی: تحویل دار) لکھا ہے ایک بار تو شحنۂ دہلی (کوتوال) تحریر فرمایا تھا، اب فوطہ دار جو فرمایا تو اس کے لیے بہت زیادہ شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ اس رقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت بو علی قلندر نے پہلے ملک نائب کے خلاف سلطان علاء الدین کو لکھا تھا۔ ملک نائب نے ایک درویش کو ایذا پہنچائی تھی۔ حضرت بو علی قلندر نے سلطان کو اس طرف توجہ دلائی تھی اور رقعہ میں تحریر فرمایا تھا:

''علاء الدین شحنۂ دھلی را اعلام آنکه
خواجه سرائے ......یکے از درویشان را
رنجانید وعرش الرحمن بلرزه آورد اگر او را
به سزا رسانیدی بهتر و الا بجائے تو شحنۂ دیگر
نشانیده خواهد شد''[1]

(۴) مولانا حمید شاعر قلندر اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت خواجہ سلطان الاولیاء کی خدمت میں کھانا لایا گیا اور حضرت شیخ نے افطار کیا، کھانا کھاتے ہوئے حضرت نے ایک روٹی توڑی نصف خود نوش فرمائی اور نصف بندہ کو عطا کی۔ میں نے اس کو لے کر آستین میں رکھ لیا اور باہر آیا تو قلندر آموجود ہوئے اور کہنے لگے، شیخ زادے! ہم کو کچھ دو۔ میں نے کہا، میرے پاس کیا ہے؟ قلندروں نے کشف سے دریافت کیا اور کہنے لگے آدھی روٹی تم حضرت شیخ کے پاس

---

(۱) بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۱۰۱۔ بزم صوفیہ ص ۲۹۳ طبع چہارم

سے لائے ہو۔ میں حیران رہ گیا کہ ان میں سے تو کوئی وہاں موجود نہیں تھا آخر وہ آدھی روٹی آستین سے نکال کر ان کو دیدی۔ انھوں نے وہیں اس کے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کرلی اور دہلیز خانہ میں جو مسجد کیلو کھڑی کے پاس ہے بیٹھ گئے۔ اس وقت میرے والد شیخ کے یہاں سے باہر آئے اور پوچھا کہ وہ روٹی کیا ہوئی۔ میں نے کہا کہ وہ قلندروں کو دیدی۔ میرے والد نے غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور بہت زیادہ افسوس کرتے ہوئے کہا: وہ نعمت تھی اسے کیوں دیدیا مگر شوریدہ پا ہے، پھر وہ شیخ کی خدمت میں واپس گئے۔ حضرت شیخ کو صورت حال معلوم ہوئی تو فرمایا: ''مولانا تاج الدین! خاطر جمع رکھو۔ یہ لڑکا قلندر رہو گا'' تب میرے والد کو اطمنان ہوا[1]۔

حضرت چراغ دہلوی کے پاس:

مولانا حمید شاعر قلندر، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات خیر المجالس میں لکھتے ہیں کہ: رمضان شریف کا مہینہ تھا، لوگوں نے چاہا کہ ہاتھ دھوئیں۔ ایک قلندر حاضر تھے وہ درمیان سے اٹھے اور چل دیئے۔ حضرت نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا: درویش! درویش کیوں جاتے ہو؟ قلندر نے ایک نہ سنی اور سیدھے باہر نکل آئے حضرت نے خادموں کو دوڑایا۔ وہ تھوڑی دور باہر گئے تھے کہ خادم پہنچے اور ان سے بڑی معذرت کرکے واپس لائے اور جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں ان کو بٹھایا۔ یعنی بندہ سے بالادست بیٹھ گئے[2]۔

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۱۵۹ (۲) اخبار الاخیار ص ۱۶۱ بحوالہ خیر المجالس مجلس ۳۸

حضرت بہاؤالدین زکریاملتانی سہروردی کے یہاں:

حضرت چراغ دہلوی فرماتے ہیں ''ہر عام میں خاص ہوتے ہیں'' اور اس پر یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین زکریا بغداد سے حضرت شیخ الشیوخ (شیخ شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے واپس ہوئے۔ ایک منزل پر کہ وہاں سرائے نہ تھی مسجد میں ٹھہرے، وہاں چند قلندر بھی آگئے۔ جب رات ہوئی شیخ تو مشغول ہو گئے، ایک قلندر (غالباً شیخ فخر الدین عراقی) کو دیکھا کہ سر سے پا تک نور ہی نور ہے، شیخ ان کے پاس گئے اور کہا کہ تم اِن میں کیا کرتے ہو۔ انھوں نے کہا: زکریا! تاکہ تم جان لو کہ ہر عام میں خاص ہوتے ہیں کیوں کہ عام کو خاص کے سبب سے بخشیں گے[1]۔

(۱) اخبار الاخیار ص ۱۶۲۔ ذکر مولانا حمید شاعر قلندر

تحریک شاہ ولی اللہ دہلوی سے قلندری بزرگوں کا تعلق[1]

ہندوستان میں دورِ آخر میں کاکوری کی خانقاہ کاظمیہ نے قلندری سلسلہ کے تحفظ اور ترقی کا اور اس راہ سے دین کی خدمت کا کام انجام دیا ہے۔ اس کے اکابر اپنے اپنے دور میں دین و روحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ قرآن و حدیث میں گہری واقفیت، علوم عربیت میں مہارت، اخلاق اسلامیہ سے آراستگی اور اپنے اعتدال و توازن کے لحاظ سے وہ قلندری طریق کے نمائندہ تھے۔ قلندری طریق کے اس خانوادہ نے اتحاد بین المسلمین کو اپنا مطمحِ نظر بنایا۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اتباع سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) ان کا مقصود تھا۔ دنیوی مال و متاع کی حرص و آز سے دور ہو کر اور اپنے میکدۂ روحانیت میں اللہ اور اس کے رسول عربی ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر انھوں نے ہر سمت یادِ الٰہی کے چراغ جلائے اور اعتدال و توازن کا درس دیا۔

قلندری طریق میں اعتدال و توازن ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس سلسلہ کے بزرگوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی تحریک سے وابستہ افراد سے اپنے رشتہ کو استوار کیا اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔

شاہ محمد کاظم قلندر (م ۱۲۲۱ھ کاکوری) قلندری سلسلہ کے ایک

(۱) یہ مضمون ماہنامہ نوائے دار العلوم (مؤناتھ بھنجن) کے جنوری ۱۹۸۷ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے

جلیل القدر اور قوی نسبت و تاثیر کے بزرگ تھے۔ وہ شاہ باسط علی قلندری الہ آبادی (م ۱۱۹۶ھ د مگڈھ الہ آباد) سے اجازت و خلافت پا کر یہ سلسلہ کا کوری لائے تھے اور انھیں کے ذریعہ پہلی بار قلندری سلسلہ کا کوری اور اس کے اطراف میں اشاعت ہوئی۔ وہ توحید وجودی کے اور شیخ محی الدین بن عربی کے دیگر علوم و معارف کے بڑے مؤید تھے اور اپنی بہت سی خصوصیات میں ممتاز بھی تھے۔ شاہ تقی حیدر قلندر لکھتے ہیں کہ:

> ان کو سلسلہ نقش بندیہ کی اجازت مولوی شاہ احمدی کرسوی خلیفہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل بریلوی سے بالمعاوضہ تھی۔ ان کو سلسلہ قلندریہ کی اجازت آپ نے دی (۱)۔

شاہ محمد کاظم قلندر کو ابھی نقش بندی سلسلہ کی دوسری اجازت حضرت شاہ ابو سعید رائے بریلوی سے حاصل ہوئی۔ شاہ ابو سعید رائے بریلوی، حضرت سید احمد شہید کے نانا اور حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے پرپوتے تھے۔ شاہ ابو سعید نے دہلی حاضر ہو کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے سلوک کی تکمیل کی تھی اور شاہ محمد عاشق پھلتی سے بھی خلافت حاصل کی تھی۔ آپ کی نسبت بہت قوی اور صحبت بڑی مؤثر تھی، شاہ ولی اللہ حب کے علوم و کمالات سے جن خوش قسمت افراد نے شاہ صاحب کی زندگی میں استفادہ کیا اور آپ کو پہچانا، ان کے پہلے طبقہ میں سید شاہ ابو سعید کا شمار ہوتا ہے (۲)۔ یہاں ذکر یہ ہو رہا تھا کہ حضرت ابو سعید رائے بریلوی سے حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کا کوری نے نقشبندی سلسلہ کی اجازت لی ہے اور وہ بھی اس طور پر جیسا کہ شاہ تقی حیدر قلندر کاکوروی لکھتے ہیں:

---

(۱) اذکار ابرار ص ۳۵۲ (۲) سیرت سید احمد شہید ص ۹۴ (اختصار) از مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

پھر جب مسائل حضرت مجدد الف ثانی میں آپ کو (تقی شاہ محمد کاظم قلندر کو) شبہات واقع ہوئے تو آپ اس سلسلہ کے اکثر مشائخ سے ملے، ایک مرتبہ رائے بریلی گئے اور حضرت شاہ ابو سعید خلیفہ حضرت شاہ محمد عاشق (خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی) سے ملے اور اپنے شکوک بیان کئے. انھوں نے فرمایا کہ آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث کی تصانیف ملاحظہ کیجئے اورپانچ رسالے دیئے ھمعات، سطعات،الطاف القدس ، انتباہ، القول الجمیل . آپ ملاحظہ کر کے خوش ہوئے اور سب کی خود نقل کرلی . فرماتے تھے کہ میرے اکثر شبہات ان رسائل کے دیکھنے سے جاتے رہے . متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث کے معرّف تھے ان کے طریقہ کے اشغال واذکار اور سلسلہ کی اجازت بھی حضرت شاہ ابو سعید سے لی تھی [1]۔

حضرت شاہ ابو سعید کے خلفاء میں سے ایک ممتاز شخص ہوئے ہیں مولانا حاجی امین الدین محدث کاکوروی [2]، ان سے مشہور قلندری شیخ شاہ تقی علی قلندر نے حدیث شریف کا درس لیا ہے۔ شاہ حبیب حیدر قلندر لکھتے ہیں:

در علم حدیث از ارشد تلامذۂ وی بود [3]

شاہ تقی ،محدث امین الدین کاکوروی کے علم حدیث میں ارشد تلامذہ میں تھے ۔

(۱) اذکار ابرار ص ۲۵۳ (۲) سیرت سید احمد شہید ص ۹۹ ۔ مقدمہ روض الازہر ص ۱۱ (۳) مقدمہ حوض الکوثر ص ۱۱

ان سے شاہ تقی علی قلندر نے صحاح ستہ، حزب البحر اور دلائل الخیرات وغیرہ کی اجازت اور سند لی۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد رشید مولانا حسین احمد محدث کا کوروی نے بھی شاہ تقی علی قلندر سے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی سند لی۔ یہ دوطرفہ لین دین کا طریقہ بزرگان حق کے لیے کوئی نئی بات نہیں مگر ادھر کچھ عرصہ سے چونکہ حضرت سید احمد شہید کی تحریکِ دعوت وجہاد اور اس تحریک کے داعیوں کو مطعون کیا جاتا رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس تحریک کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے خاص طور پر قلندری بزرگوں کے بارہ میں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت سید احمد شہید کے حقیقی بھانجے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ہسوی جس شخص کو تعلیم وتربیت کے بعد اپنا مجاز اور خلیفہ بناتے ہیں انھیں کو قلندری بزرگ بھی اپنی خلافت سے سرفراز کرتے ہیں۔

میری مراد شاہ سکندر علی خالص پوری سے ہے جنہیں اگر ایک طرف حضرت مولانا عبدالسلام ہسوی نے اجازت وخلافت عطا فرمائی تو دوسری طرف مشہور قلندر بزرگ حضرت شاہ علی اکبر قلندر (م ۱۳۱۴ھ) نے بھی اجازت وخلافت دی۔ ان دونوں حضرات نے شاہ سکندر خالص پوری کو اپنا اپنا خرقہ دیا [1]۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ:

شاہ اسماعیل شہید، حضرت سید احمد شہید کے مرید خاص اور ان کی تحریکِ احیاءِ دین کے مرد مجاہد تھے، وہ خاص طور پر شرک وبدعت کی تردید کا کارنامہ انجام دینے کی وجہ سے بدنام ہوئے ہیں۔ اس بدنامی کے پسِ پردہ انگریز تھے ان کا مفاد یہ تھا کہ ان کے خلاف مسلمانوں کی تحریک آزادی کو

(۱) اذکار ابرار ص ۴۸۸

ناکام بنادیا جائے۔ مسلمان آندھی اور طوفان بن کر حضرت سید احمد شہید کے ساتھ ہو گئے تھے اور انگریز کے لیے اس ملک میں سب سے بڑا خطرہ تھے چنانچہ انگریزوں کی شہ پا کر اور کچھ عام مسلمانوں کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کے لیے، حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کی مخالفت کی جانے لگی۔ ان دونوں بزرگوں کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے گئے۔ مگر قلندری بزرگ جو نفسانیت سے بلند ہو کر اور زمان و مکان اور ماحول کی عارضی لذتوں سے بالاتر ہو کر سوچتے ہیں انھوں نے مذکورہ تحریک کے بزرگوں کا احترام باقی رکھا۔ ان سے عقیدت، استفادہ اور دینی روابط میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ چنانچہ حضرت شاہ تقی علی قلندر کاکورویؒ نے امام غزالی اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جیسے اکابر اولیاء کی صف میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بھی تصوف کے بارہ میں توضیحی بیانات نقل کیے ہیں۔ ان عالی مقام بزرگوں اور اولیائے عظام کے اقوال کے پہلو بہ پہلو شاہ اسماعیل شہید کے علوم و معارف نقل کرتے ہوئے ان کا نام نامی اور اسم گرامی بھی اس طرح لیتے ہیں:

"قال الفاضل الجليل مولانا محمداسمعيل شهيدؒ"[1]

شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و معارف کی اہمیت:

شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتابیں قلندری شیوخ کے یہاں بطور خاص صاحبزادگان اور خواص کے نصاب تعلیم کا جزء رہتی تھیں۔ چنانچہ شاہ محمد کاظم کے صاحبزادے اور جانشین شاہ تراب علی قلندر (م ۱۲۷۵ھ) نے اپنے خلف اکبر اور جانشین شاہ حیدر علی قلندر (م ۱۲۸۴ھ) کو اخلاق و تصوف کی جو کتابیں خود پڑھائیں ان میں امام غزالی کی منہاج العابدین اور کیمیائے سعادت کے علاوہ شاہ

(۱) روض الازہر ص ۵۴

ولی اللہ دہلوی کی کتابیں سطعات، ہمعات اور الطاف القدس بھی شامل تھیں[1]۔

شاہ تراب علی کے دوسرے باکمال صاحبزادے اور خلیفہ شاہ تقی علی قلندر (م ۱۲۹۰ھ) کو سلوک وتحقیقات میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید (م ۱۱۹۵ھ) حضرت فخرالدین عراقی (م ۶۸۸ھ) حضرت اوحدالدین کرمانی (م ۶۳۵ھ) اور شیخ احمد غزالی کی روش بہت پسند تھی[2]۔ ایک واقعہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ تقی علی قلندر نے اپنے ایک خلیفہ سے فرمایا:

> بے شک وہ (یعنی شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب فیوض الحرمین) عمدہ کتاب ہے۔ اسے اکثر دیکھا کرو[3]۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا شاہ تقی علی قلندر نے اپنی کتاب روض الازہر میں بہت اعزاز واکرام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کہیں ''مسند الوقت'' اور کہیں ''قدوۃ المحدثین''، ''سید المسندین'' کے لفظ سے اور کہیں قطب المحققین کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور شاہ صاحب کے عظیم المرتبت صاحبزادگان کے لیے بھی بلند کلمات استعمال کئے ہیں مثلاً شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے لیے قدوۃ المحققین قدوۃ الاماجد والاکابر، اور قدوۃ اہل تحقیق ہے[4]، یا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کے لیے قدوۃ المحققین، زبدۃ المدققین، قدوۃ المتجرین وغیرہ[5]۔ یہ گزر چکا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مجاہد پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید کا کس احترام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

---

(۱) اتحاف ص ۴۵۶ (۲) ایضاً ۴۹۵ روض الازہر ص ۱۷۸ (۳) اذکار ابرار ص ۵۰۹

(۴) ایضاً ص ۹۶-۱۰۹-۳۰۲ (۵) ایضاً ص ۳۰۴-۳۱۰

دوسرے اکابر:

امت کے دوسرے اکابر کے بارہ میں قلندری بزرگوں کے یہاں احترام وعقیدت کی یہی نوعیت رہی ہے چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے بارہ میں:

جامع بین الحدیث والفقه والتصوف اند[1]

وہ حدیث و فقہ و تصوف کے جامع ہیں

کی رائے بھی دے جاتے ہیں۔ قلندری بزرگوں کے یہاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور دوسرے اکابر دیوبند کا نام بھی اکابر اور صالحین کے زمرہ میں آتا ہے۔ حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے ملفوظات اور ربیتی افادات ان کے خلیفہ شاہ گل حسن صاحب نے تعلیمات غوثیہ کے نام سے مرتب کیے ہیں اور اس میں توحید وجودی اور توحید شہودی کی بحث میں جن مستند اکابر علماء و بزرگان کے اقوال پیش کیے ہیں انھیں میں وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات کا مقصد یہ ہے کہ سیاسی یا سماجی حالات کے دباؤ یا ذاتی اغراض کی بنا پر جب کچھ علماء اور اہل خانقاہ افراط وتفریط کا شکار ہوئے تو ان حالات میں قلندر غلط فہمی یا غلط بینی سے دور ہی رہا۔ اور چونکہ فراست ایمانی مرد مومن کا امتیاز ہے اور قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، اس لیے ہر غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ایسا نہیں ہوا کہ قلندر نے بھی اہل حق علماء کو نظر انداز کر دیا ہو، ان کی حق تلفی کی ہو یا غلط بینوں کے چشم و ابرو کا لحاظ کرنے پر وہ مجبور ہو گیا ہو۔ مذکورہ بالا تفصیلات سے قلندری بزرگوں کے میلان طبع اور ان کے انداز فکر ونظر پر روشنی پڑتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مذکورہ تمام

---

(۱) اذکار ابرار ص ۳۹۱

علماء وبزرگانِ دین، ہند کے صنم کدہ میں شریعت کے پاسبان اور طریقت ومعرفت کے تاجدار تھے۔ انھوں نے شرک وبدعت سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ان کے تحریری سرمایہ اور تصنیفی ذخیرہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک وبدعت کے ساتھ وہ دین حق کی آمیزش کے قائل نہ تھے۔ انھوں نے کبھی بھی یہ پسند نہیں کیا کہ اسلام کو سازگار اور خوش گوار بنانے کے لیے مشرکانہ رسوم اور جاہلانہ بدعات کا سہارا لیا جائے۔ وہ بدعات کی شیرینی کو شرابِ معرفت کے لیے سمّ قاتل سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک بدعت، سنت نبوی (علی صاحبھا الصلاۃ والسلام) سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا کا بھیجا ہوا دین اور اس کے آخری نبی محمد عربی ﷺ سے دوری ہی کے نتیجہ میں عوام بدعات کے جال میں پھنستے اور مشرکانہ رسوم میں گرفتار ہو جاتے ہیں اس لیے ان بزرگوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ تجدید دین پر تج دیا۔ دین خالص کو واضح اور عام کرنے میں اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ ان کی زندگیاں پیرویٔ رسول اور اتباعِ سنت ہی میں گزریں اور انھوں نے مادیت کے بے پناہ سیلاب کا مقابلہ اس طرح کیا کہ قرآن مجید اور سنت نبوی سے ذرا بھی ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

یہی وجہ تھی کہ یہ تمام بزرگ، قلندری اولیاء کرام کی عقیدت اور احترام کا مرکز بنے رہے اور قلندری بزرگوں نے طریقت ومعرفت کی نظر سے جب دیکھا تو یہی پایا کہ ولی اللٰہی خانوادہ، تحقیق ومعرفت، شریعت وحقیقت، تفسیر وحدیث وفقہ، خدمتِ دین واتباعِ سنت اور للٰہیت وخداترسی میں سلف صالحین کے نقش قدم پر اور خدا کے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قلندر نے ان بزرگوں سے اپنی عقیدت اور استفادہ کا پوری جرأت اور صراحت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

تحریک ندوۃ العلماء سے قلندری بزرگوں کے روابط[1]

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی عظیم تعلیمی و اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا تو اس کے قلندرانہ جذب کو سب سے پہلے قلندر کی بارگاہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اختلاف اور تعصب نے گل کھلائے لیکن قلندر کی بات ہی کچھ اور تھی، قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید، اس نے بڑھ کر اس تحریک کا استقبال کیا۔ کہیں تذبذب اور شک وریب کی چادر نے اصل حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی، کہیں ذاتی اغراض اور نجی مفادات نے اس تحریک کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اس تحریک کا نیاپن اور حقیقت پسندانہ رویہ بھی اس دور کے جذباتی اور جانب دارانہ ماحول میں کچھ زیادہ پسند نہیں کیا گیا مگر ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں ابتدا ہی سے قلندر نے اپنا دم خم، اپنی توجہ اور اپنے انداز ملوکانہ کا اظہار کیا ہے۔

ہندوستان میں کاکوری کا قلندری خانوادہ، قلندری طریق کا امین اور اس نسبت کا ایک تابناک گہوارا رہا ہے۔ ادھر آخری چند صدیوں میں اسی خانوادہ میں قلندری طریق کے امام اور شہ نشیں بزرگ ہوئے ہیں۔

---

(۱) یہ مضمون ماہنامہ نوائے دارالعلوم (مؤناتھ بھنجن) کے شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء (جلد ۱ شمارہ ۳) میں شائع ہوا

انھوں نے اس نسبت کے چشمۂ صافی کی آب و تاب اور سوز و تپش میں اضافہ کیا اور اس کے ذریعہ بر صغیر میں دور دور تک اپنے فیض روحانی اور نسبت رحمانی کی برکت کو عام کیا ہے۔

ندوۃ العلماء کی تحریک کو ان قلندری بزرگوں کے یہاں جو رتبۂ بلند ملا اس کی تفصیل کا تو یہ موقع نہیں البتہ اختصار کے ساتھ اس کے بارہ میں چند وہی باتیں پیش کی جارہی ہیں جو قلندری ذوق اور قلندر بزرگوں کے سوانح اور افکار سے تعلق رکھتی ہیں۔

مسلمانوں کے ہر طبقہ میں ان قلندر بزرگوں کو جو عظمت اور احترام حاصل تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ تقی حیدر قلندر اپنے والد بزرگوار شاہ علی انور قلندر (م ۱۳۲۴ھ) کے بارہ میں لکھتے ہیں:

> مولوی شاہ عبد القا در بدایونی و مولوی احمد رضاخاں بریلوی و مولوی شاہ عبد الصمد سہسوانی وغیرہ آپ سے غائبانہ نیاز رکھتے تھے اور برابر اپنی تصانیف آپ کے پاس بھیجتے رہتے اور خطوط میں اظہار نیاز مندی کرتے[1]۔

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

> شاہ حبیب حیدر قلندر (م ۱۳۵۴ھ) کی جن علماء و مشائخ ہم عصر سے خط و کتابت و مراسم و ملاقات تھی ان میں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شاہ محمد سلیمان پھلواروی مغفور بھی تھے[2]۔

---

(۱) اذکار ابرار ص ۲۹۶ (۲) ایضاً ص ۲٦۸

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مقاصد کی اشاعت ہوئی تو مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ رائے دی تھی کہ ''ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر دارالعلوم کا وجودِ ذہنی سے وجود خارجی میں آنا موجدِ الموجودات کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی مستبعد امر نہیں[۱]۔ مولانا تھانوی کی قلندری بزرگوں کے یہاں یہ منزلت تھی کہ جب وہ پانی پت گئے تو حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی کے سجادہ نشینوں نے درگاہ میں ایک بڑے جلسہ کا اہتمام کیا اور اس میں مولانا تھانوی کی تقریر ہوئی۔ یہ تقریر طریق القلندر کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مولانا تھانوی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اور ایک بڑے شیخ وقت تھے اور مولانا سلیمان پھلواروی اپنی آبائی خانقاہ میں ایک قادری شیخ اور سجادہ نشیں تھے مگر ان کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بھی خلافت حاصل تھی[۲]۔

یہ دونوں بزرگ ندوہ کے اجلاس اول میں شریک تھے۔ مولانا پھلواروی کی تحریکِ ندوہ اور اس کے اجلاسوں سے دلچسپی اس قدر بڑھی کہ وہ ہر موقع پر ندوہ کے کاموں میں شریک رہتے۔ ان کو سحبانِ ندوہ کہا جاتا تھا اور انھوں نے اپنے صاجزادوں مولانا شاہ غلام حسنین پھلواروی (م ۱۹۸۲ء) سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی (م ۱۹۸۰ء) وغیرہ کو ندوہ میں داخل کیا جہاں سے ان حضرات نے سند فراغ حاصل کی۔

تحریک ندوۃ العلماء کا مقصد یہ تھا کہ فروعی اختلافات میں مسلمانوں کے درمیان باہمی رواداری برتی جائے۔ دعوتِ اسلام کا کام اس طرح ہو کہ الحاد و دہریت اور جدید فتنوں کا مقابلہ کیا جائے اور اسلام کے خلاف جو شبہات

---

(۱) سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ص ۱۵۲ (۲) نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۱۶۹

پیدا کیے جاتے ہیں ان کا ازالہ ہو۔ مخالفین کے اعتراضات کی جدید اسلوب میں دلائل کے ذریعہ تردید کی جائے۔ عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں تاکہ دورِ جدید میں نئے فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے خدمت دین کا کام زیادہ مؤثر اور مفید ہو سکے۔ انگریزی اور دوسری عصری زبانوں سے انہیں واقفیت ہو، جدید علوم سے بھی وہ بہرہ مند ہوں۔ عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔ نصاب تعلیم میں قرآن شریف اور حدیث شریف کی تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ فقہی مسلک کی تعلیم تو ہو لیکن اس کی بنا پر مسلمانوں کو باہمی خانہ جنگی میں مبتلا نہ کیا جائے۔

یہ مقاصد تھے جن کی تکمیل کے لیے ندوۃ العلماء کی تحریک وجود میں آئی۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی آخر تک ندوۃ العلماء کے سرپرست رہے وہ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی دونوں کی سرپرستی اور دعاؤں سے اس تحریک کا آغاز ہوا اور دونوں بزرگوں کے خلفاء اور مریدین ہی کے ذریعہ یہ تحریک پروان چڑھی۔

اتحادِ ذوق:

استاذ الاساتذہ علامہ لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ) اکثر بانیانِ ندوہ کے استاد ہوتے ہیں ان کا حال تو یہ تھا کہ:

> "ان کے مزاج میں بڑا اعتدال اور جامعیت تھی. کبھی کسی کی تکفیر نہیں کی."[1]

دوسری طرف اسی دور کے مشہور قلندر بزرگ شاہ علی اکبر قلندر کاکوروی کا بھی یہی حال تھا کہ:

---

(۱) سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ص ۸ (حاشیہ)

"نہ کسی پر الزام کفروشرک لگایا نہ کسی
پر اعتراض فرمایا. کسی خیال کا کوئی کیوں نہ ہو
اس سے نہایت مہربانی سے پیش آتے"[1]

یہ بزرگان دین حکمت اور شفقت کے ساتھ خلقِ خدا کی تربیت کرتے رہے۔ توحیدِ حق کی دعوت اور اتباع سنت کی ترویج میں انھوں نے محبت اور الفت کا پیامی بن کر عقیدوں کی اصلاح کی اور اخلاق کی تربیت فرمائی۔ ندوۃ العلماء کی تحریک کے اولین داعی اور ناظم اول مولانا محمد علی مونگیریؒ بھی اولیاء حق کا ایک نمونہ تھے۔ وہ اس حال اور مقام کے شخص تھے کہ ان کے بارہ میں خود ان کے شیخ، قطب دوراں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی یہ رائے تھی کہ:

"ان کی روح ارواحِ متقدمین میں سے
ہے ایسے لوگ ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں."[2]

افتتاحی تقریب:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا آغاز ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۶/ ستمبر ۱۸۹۸ء میں ہوا تو اس کی افتتاحی تقریب شاہ نجم الدین فتحپوری کے ذریعہ عمل میں آئی۔ وہ مولانا عبدالسلام ہسوی کے خلیفہ وجانشیں تھے اور مولانا عبدالسلام ہسوی، حضرت سید احمد شہید کے حقیقی بھانجہ تھے۔ (یہ گزرچکا ہے کہ حضرت مولانا عبدالسلام ہسوی قلندری بزرگوں کے یہاں محترم اور معظم رہے ہیں) یادایام کے مولف لکھتے ہیں کہ:

"حضرت اویسِ زمانہ (مولانا گنج مرادآبادی)
قُدِّسَ سِرُّہٗ بقید حیات تھے. ان کے خلفاء میں بڑے بڑے

(۱) اذکار ابرار ص ۴۶۹ (۲) سیرت مونگیریؒ ص ۳۴۱ بحوالہ کمالات محمدیہ ص ۲۲

صاحب سلسلہ و ارشاد بزرگ اورعالم موجود تھے مگر اشارہ ایک گوشہ نشیں مجذوب سالک کی طرف ہوا جو صاحبِ دعاو تصرف تھے، بڑی بات یہ کہ عاشقِ رسول ﷺ تھے یعنی مرشدنا حضرت شاہ نجم الدین صاحب قدس سرہ العزیز فتحپوری ....، ہاتھ دعا کے لیے اٹھ جاتے ہیں .... یہ ندوہ کی پہلی تقریبِ افتتاح تھی۔"[1]

لکھنؤ میں قیامِ ندوہ کی وجہ:

مگر لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی یہ تقریبِ افتتاح تو بعد کا قصہ ہے۔ کانپور سے تحریک ندوہ کا رخ لکھنؤ کیونکر ہوا۔ ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس کانپور میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء کو ہوا اس کے بعد قلندری بزرگوں اور اکابر ندوہ کے درمیان یک رنگی اورہم خیالی کا یہ قافلہ اورآگے بڑھا۔ دراصل مذاق ومشرب ایک ہو، خدمت دین اورعشقِ نبوی کی آگ سینوں میں دہک رہی ہو تو میدان فکروعمل میں یکجائی لازمی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قلندرخان بہادرمنشی اطہرعلی کاکوروی اچانک منظرعام پرآتے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں اپنے رئیسانہ مقام ومرتبہ اورذاتی وجاہت اورتدبر کی وجہ سے اودھ کے چند گنے چنے افراد میں شمار ہوتے تھے اورتعلقہ دارانِ اودھ کے مشیرقانونی کے منصب پرفائز تھے۔ ان کے سیاسی اورسماجی وقار کا یہ حال تھا کہ:

خوب یاد ہے کہ لکھنؤ کی رفاہِ عام بارہ دری میں زیرصدارت عم محترم خان بہادرمنشی اطہرعلی صاحب ایک جلسہ کرکے مسلم لیگ کی داغ بیل

---

(۱) یاد ایام ص ۱۶ مؤلفہ مولانا ضیاء الحسن علوی

پڑی جن کا دفتر برسوں ہمارے یہاں کوٹھی منشی احتشام علی صاحب میں قائم رہا۔ پھر تو لیگ، لیگ اس وقت ہوئی جب بقول ہمدرد، مرحوم آغاخاں، لارڈ منٹو سے لیگ مانگ لائے۔ میرا اشارہ شملہ کے مسلم ڈپوٹیشن کی طرف ہے[1]۔

یہ منشی اطہر علی کاکوروی، حضرت شاہ تقی علی قلندر (م ۱۲۹۰ھ) کے مرید تھے۔ کاکوری کے قلندری بزرگوں سے ان کے خاندانی مراسم اور عزیزداری کے تعلقات بھی تھے۔ ان کے ایک بھائی منشی امتیاز علی (والد گرامی جناب منشی احتشام علی مرحوم) بھوپال میں وزیر تھے:

" ایک روز منشی امتیازعلی صاحب کی اهلیه، شاه (علی اکبرقلندر م ۱۳۱۴ه) صاحب کی عیادت کو آئیں۔ کچھ دیر کے بعد شاه صاحب نے ان سے فرمایا که اب جاؤ۔ وه ٹھیرنا چاهتی تهیں مگر آپ نه مانے اور باصرار رخصت کردیا۔ ان کے جانے کے بعد شاه صاحب کی چھوٹی صاحبزادی نے کها که اس وقت آپ نے ان کو ٹھیرنے نه دیا کهیں ان کو رنج نه هوا هو۔ فرمایا که تم کو کیا معلوم؟ منشی امتیازعلی صاحب کا بهوپال میں انتقال هوگیاهے۔ ان کے گھر میں تار آیاچاهتاهے۔ بے چاری یهاں بیٹھی تهیں۔ان کی صورت دیکھ دیکھ کر قلق هوتا تها چنانچه ایساهی هوا که ان کے مکان پهنچنے کے

(۱) یادِ ایام ص ۶۵

بعدبھوپال سے منشی صاحب کے انتقال کا
اطلاعی تار آیا۔ ہنوز تکیہ شریف پر اطلاع
نہیں آئی تھی کہ آپ نے شاہ علی انورقلندر
صاحبزادہ سے فرمانا شروع کیا کہ جاؤ۔ تعزیت
کرآؤ۔ جب خبرقصبہ میں پھیل گئی تب وہ
تعزیت کو گئے[1]۔

صاحبِ جذب وسلوک بزرگوں اور مومنانہ کردار کے افراد پر بارگاہ صمدی سے انکشافِ حق کی جو حیرت انگیز عطا کبھی کبھی ہوجایا کرتی ہے انسانی تاریخ میں اس کی مثالیں نادر تو نہیں البتہ کمیاب ضرور ہیں۔ اس کے لیے نگاہِ مرد مومن یادل بینا کی ضرورت ہے۔ جو لوگ اس طرح کے حیرت انگیز واقعات کی توجیہہ یاتاویل کرتے ہیں وہ بھی کبھی کبھی اپنے گردوپیش اسی طرح کے واقعات؟ سے دوچار ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں بیانِ واقعہ کے بعد توجیہ وتاویل کی کوئی ضرورت نہیں، قدرت الٰہی ہر رنگ میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔

مجھے تو یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ منشی اطہر علی جو اپنی نسبت اور نسب کے اعتبار سے ایک قلندر بزرگ تھے وہ ندوۃ العلماء کی ترقی میں پیش پیش رہے بلکہ اس تحریک کو وہی کانپور سے لکھنؤ لائے اور آخر کار لکھنؤ ہی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام کا سبب بنے۔

ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس (۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء) کانپور میں ہوچکا تھا۔ اور ملک میں اس کے مقاصد کو قبولیت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا تھا اس کے بعد اجلاس دوم کی تجویز تو تھی مگر قرعۂ فال کس دیوانہ کے حق میں نکلا۔ منشی صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) اذکارِ ابرار ص ۴۸۱

"یکبار گی من جانب اللہ اس جلسہ کی عظمت اورعمدگی میرے قلب میں آئی اورخیال ھوا کہ یہ کشش معمولی نہیں ھے اور اس خیال میں ایسا خوش ھوا کہ اسی وقت میں نے اس کی ذمہ داری کا خط لکھدیا۔[1]"

یہاں جس قلندرانہ کیف و کشش اور جذب و انشراحِ قلبی کا ذکر ہو رہا ہے اسی کے نتیجہ میں ندوۃ العلماء کا اجلاس دوم (۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء) قیصر باغ لکھنؤ کی مشہور بارہ دری میں ہوا اور اس شان سے کہ اس کے اجلاس کے سارے مصارف اس "قلندر" نے برداشت کیے۔ سیکڑوں کی تعداد میں شرکائے جلسہ اور مدعوئین ان ہی کے مہمان رہے[2]۔

ان کی للھیت و خلوص اوراخلاق وفیاضی، خدمتِ خلق اورقابلیت نے ان کو مرجعِ خلائق بنادیا تھا[3]

پھر جب دار العلوم کے قائم کرنے کی تجویز سامنے آئی تو لکھنؤ کے حصہ میں یہ سعادت بھی منشی اطہر علی صاحب ہی کے قلب و قالب کی توجہ کا نتیجہ تھی:

انھیں کی تحریک اور کشش سے دار العلوم لکھنؤ میں قائم ھوا[4]۔

طلبہ کا داخلہ:

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تعلیمی افتتاح ہونے کو تھا اور طلبہ کے داخلہ کے وقت پہلا نام جس طالب علم کا ندوۃ کے رجسٹر میں درج کیا گیا وہ کون تھا؟ ایک قلندر زادہ یعنی منشی اطہر علی صاحب کے صاحبزادہ حاجی انور علی[5]، اور دوسرا نام ان

(۱) سیرت مونگیریؒ ص۱۳۶ بحوالہ روداد ندوۃ العلماء سال دوم ص ۱۸ (۲) ایضاً ص ۱۳۵
(۳) یادِ ایام ص۱۰ (۴) سیرت مونگیریؒ ص۱۳۵ (۵) یادِ ایام

کے بلند اقبال بھتیجہ مولانا ضیاء الحسن علوی ندوی کا درج رجسٹر کیا گیا[1]۔ اس طرح عالم اسلام کے اس عظیم دارالعلوم کا حسنِ آغاز بھی قلندر زادہ سے ہوا۔

گیارہ سالہ خدمات:

منشی اطہر علی صاحب بہت باخدا اور وضع دار شخص تھے۔ عشق رسولؐ کی دولتِ جاوید حاصل تھی۔ ان جیسے قلندر بزرگ کی توجہ اور عنایات مسلسل گیارہ برس (۱۳۱۲ھ ۔ ۱۳۲۴ھ / ۱۸۹۵ء ۔ ۱۹۰۶ء) ندوہ اور اس کے دارالعلوم کو حاصل رہیں۔ ۱۷ر شعبان ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء کو دارالعلوم کی معتمدی اور نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> منشی صاحب موصوف دارالعلوم کی نگرانی کافرض اس طرح اداکرتے رہے کہ باوجود رئیس ہونے کے خود دارالعلوم کے صحن میں آکر رات کو آرام فرماتے تھے[2]۔

ندوہ کے لیے منشی اطہر علی صاحب کی یہ خدمات جاری تھیں کہ ملک کے سیاسی حالات نے فضا کو مکدر کر دیا اور گورنر یوپی سر انٹونی مکڈانل کو منشی صاحب سے کد اور بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اسی دوران میں منشی صاحب کا دل یہاں سے اچاٹ ہو گیا اور انھوں نے سرزمین ہند سے رختِ سفر باندھا اور مدینہ طیبہ کی راہ لی:

> "منشی صاحب نے رسول اکرم ﷺ کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی، ۳۰ ر رمضان ۱۳۲۴ھ

(۱) حیاتِ شبلی ص ۳۹۶ (۲) ایضاً ص ۳۹۶

مطابق ۷/نومبر ۱۹۰۶ء کو وہ حج بلکہ ھجرت کے ارادہ سے حجاز کو روانہ ھوئے. تمام رفقاء اورخدام کو رخصت کیا. مدینہ طیبہ میں رختِ سفر کھول ڈالا اورمدینہ طیبہ ھی میں ۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء کو وفات پائی. جنت البقیع میں حضرت سیدۃ فاطمۃ الزھراءؓ کے پائیں دفن ھوئے[۱]۔

ندوۃ العلماء کے قیام کے ابتدائی دور ہی میں منشی اطہر علی صاحب کی مدینہ طیبہ میں وفات اور تدفین ہوئی اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس طرح ندوہ کی یہ پہلی آواز اور مسلمانان ہند کی یہ سوغات بھی سرزمین طیبہ میں ایک ایسے نمائندے کے ذریعہ پہنچی جو عشق نبوی سے سرشار تھا اور ملت کا درد اسے بے چین کیے ہوئے تھا[۲]۔

منشی صاحب کے بعد ان کا خاندان ندوۃ العلماء کی خدمت کے لیے ہمہ تن آمادہ رہتا۔ ان کے صاحبزادہ منشی اظہر علی صاحب وکیل و ممبر اسمبلی آخر عمر تک ندوہ کی مجلس شوریٰ کے اہم اور کارگذار ممبر رہے۔ اسی خاندان کے ایک ممتاز ترین رکن اور منشی اطہر علی صاحب کے برادرزادہ منشی احتشام علی کاکوروی بھی تھے جن کو قلندری بزرگوں سے عقیدت اور تعلقات کے علاوہ حضرت مولانا گنج مراد آبادی سے نسبتِ ارادت و بیعت بھی حاصل تھی۔ وہ ندوہ کے ہمیشہ سے حامی اور مددگار رہے۔ دارالعلوم ندوہ کے لیے عمارت کی ضرورت پڑی تو منشی احتشام علی صاحب نے اپنی طرف سے گولہ گنج لکھنؤ کی مشہور عمارت ''خاتون منزل'' خرید کر ندوۃ العلماء کو دیدی، شروع میں دارالعلوم اسی عمارت میں تھا۔ اس کے بعد بادشاہ باغ کی وسیع وعریض آراضی

---

(۱) حیات شبلی ص ۳۹۶ (۲) ایک نجی گفتگو کا خلاصہ

ملی جہاں اب دارالعلوم قائم ہے اس کے حصول میں بھی منشی احتشام علی صاحب کی کوششوں کا بڑا حصہ رہا ہے۔ منشی احتشام علی صاحب کے انتقال (۱۳۶۲ھ) کے بعد ان کے صاحبزادہ منشی احترام علی صاحب بھی اپنی وفات (۱۹۷۹ء) تک ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن اور معتمد مال تھے۔

منشی اطہر علی صاحب کے واسطے سے ندوہ کو جو فیض ملا اور ایک قلندر کے اثر سے ندوہ کو جو ترقی ہوئی اس کا تذکرہ یہاں ضروری تھا۔ ندوۃ العلماء کے سابق ناظم مولانا سید عبدالحیؒ رائے بریلوی نے اپنی کتاب نزہۃ الخواطر کی مختلف جلدوں میں قلندری بزرگوں کے حالات تفصیل سے درج کیے ہیں۔ مولانا عبدالحی، حضرت گنج مراد آبادی سے فیض یافتہ تھے لیکن ندوہ تحریک کے دوسرے ارکان.......... مولانا مونگیری، مولانا ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا سلیمان پھلواروی اور ندوہ کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی.......... کی طرح خود بھی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی طرف سے اجازت وخلافت سے سرفراز تھے[1]۔

مولانا عبدالحی (م ۱۹۲۳ء) تقریباً تیس سال تک مختلف حیثیتوں سے ندوہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ وہ اپنے تقویٰ واخلاص، خدمت خلق اور تواضع، اپنے علمی و تحقیقی کارناموں، اپنی باطنی استعداد اور حضرت سید احمد شہید سے قرابت کی بنا پر بزرگان دین کے منظور نظر رہے ہیں۔ ندوۃ العلماء کی تحریک میں ان کا اور ان کے خاندان کا حصہ بہت زیادہ نمایاں رہا ہے۔ قلندری بزرگوں سے بھی ان کے روابط تھے۔ حضرت شاہ علی اکبر قلندر اور ان کے بعد شاہ حبیب حیدر قلندر (م ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان قلندر بزرگوں نے ان کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کیا[2]۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے حیات عبدالحی، پرانے چراغ، حیات شبلی اور سیرت مولانا مونگیریؒ

(۲) نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۷، ۳۲، ۱۰۰

بانی ندوہ اور شاہ علی اکبر قلندر:

ندوۃ العلماء کے بانی مولانا محمد علی مونگیری اور حضرت شاہ علی اکبر قلندر دونوں اجازت حدیث میں ایک اعتبار سے سندی اخوت بھی رکھتے ہیں۔ دونوں کو مشہور محدث مولانا آل احمد پھلواروی ؒ[1] سے اجازت حدیث حاصل تھی۔ وہ اس زمانہ میں فن حدیث میں اپنے تبحر اور علو سند کی وجہ سے ممتاز تھے۔ جواں عمری ہی میں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تھے۔ انھوں نے سمرقند، بخارا، کابل، غزنی، کشمیر اور پنجاب کا بار بار سفر کیا اور جلیل القدر علماء ان سے فن حدیث میں مستفید ہوئے۔ شاہ علی اکبر قلندر کو ان سے صحاح ستہ وغیرہ کی اجازت تھی[2]۔ مولانا آل احمد محدث پھلواروی، بانی ندوہ مولانا مونگیری کے یہاں مسلسل دو ماہ تک رہے اور بڑی مسرت کے ساتھ ان کو بلا طلب حدیث شریف کی سند عطا کی[3]۔

تحریک ندوۃ العلماء سے قلندری بزرگوں کے روابط کی داستان بڑی طویل ہے مگر جو کچھ مذکورہ بالا سطروں میں پیش کر دیا گیا ہے اس سے یہ اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں کہ ندوۃ العلماء کی تحریک میں قلندر کا فیض کس قدر تھا اور اس تحریک کے کارکنوں اور بانیان کو جو صاحبِ نسبت اور صاحبِ دل اولیاء اللہ تھے، قلندری بزرگوں کے یہاں کس قدر اعزاز حاصل رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تحریک ندوۃ العلماء میں ہر دور کے اکابر اولیاء اور اہل دل علماء و مشائخ نے اپنی دعا و توجہ اور باطنی اور عملی کوششوں کے ذریعہ حصہ لیا ہے اور اس تحریک کی خدمت کی ہے۔ قلندری بزرگوں نے اس تحریک کو آگے بڑھانے میں جو حصہ لیا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) وفات مدینہ طیبہ ۱۲۹۶ھ (۲) تذکار الابرار ص۲۶۶۔ اتحاف الاخیار ص۵۱۶ (۳) سیرت مونگیریؒ ص۳۰

شعر وادب میں قلندر کا اثر

تصوف کا شعروادب سے گہرا تعلق رہا ہے چنانچہ حافظ وجامی، مولانا روم اور امیر خسرو فارسی زبان وادب کے لیے سرمایۂ ناز اور باعث افتخار ہیں۔ اردو زبان وادب میں بھی مظہر جانِ جاناں اور خواجہ میر درد زبانِ اردو کی زلفیں سنوارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہمیں فارسی یا اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھنے کے بجائے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قلندری بزرگوں نے بھی اس طرف توجہ کی تو اپنے نقش پا سے ایک نیا گلزار پیدا کر دیا۔ شاہ بو علی قلندر سے شاہ مظہر کل قلندر تک بلکہ اس کے بعد بھی زبان پارسی میں جوش و سرمستی اور روانی و کیف کو برقرار اور بے قرار رکھنے میں ان بزرگوں کا بڑا اثر رہا ہے۔

شاہ محمد کاظم قلندر کاکوروی کی نغمات الاسرار (سانت رس) برج بھاشا میں اپنے تخیل کی بلندی اور قلب و نظر کے واردات کی دلکش مصوری کا ایک البیلا نمونہ ہے اس میں:

"سوزوساز کی تب وتاب، ہجرووصال کے بدلتے ہوئے تاثرات و احساسات کا بیان شیریں انداز میں ڈھل کر سامعہ نواز ہوتا ہے اور روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔ اس میں ٹھمریاں اور دوہے

مختلف راگ اور راگنیوں کے ڈھن پر لکھی گئی ہیں ۔ نعت میں ایک ٹھمری ملاحظہ ہو:

صورت تیری پیاری پہ میں بلہاری
لال اَنکھیں تیری لال بَست ہے
کاری کاری بن انجن پیاری
نکھ سکھ تین اَس چھب بن آئی
جھ چھب پر لاکھن جیوواری
اَنیک درود و سلام ہیں تم پر
رب کی اُور سے اور ہماری
ارے اے رحم و کرم کے سمندر
لہر بہے اِدھر یُوٗ اک باری
رکھ لے لاج دووَ جگ ماکاظمؔ کی
دے جو مانگے یہ درس بھکاری [1]

برج بھاشا میں شاہ محمد کاظم قلندر کا یہ مجموعۂ کلام حمد و نعت اور کلامِ معرفت و محبت کا ایک دلکش اور دل آویز نمونہ ہے۔ ان کے صاحبزادہ اور جانشین شاہ تراب علی قلندر کے کلامِ معرفت کے نمونے ''شعر الہند'' (مؤلف: مولانا عبدالسلام ندوی) میں یکجا کر دیے گئے ہیں۔ آپ کا کلیات فارسی اور کلیات اردو دونوں شائع ہوئے ہیں۔ یہاں ہم اتحاف الاخیار سے صرف ایک اردو غزل نقل کرتے ہیں [2]:

نشاں اس کا کسی سے کب بیاں ہو
وہی پاوے نشاں جو بے نشاں ہو

---

(۱) سانت رس معروف بہ نغمات الاسرار مع شرح اردو (حصہ اول) ص ۹ مقدمہ۔ مرتبہ شاہ مجتبیٰ حیدر کاظمی
(۲) اتحاف الاخیار ص ۴۱۹

منزہ وہ تو ہے کون و مکاں سے
مکاں اس کا کہاں جو لا مکاں ہو

کوئی جا گہ نہیں ہے اس سے خالی
زمیں ہو عرش ہو یا آسماں ہو

سوا اس کے نہیں کوئی جہاں میں
تلاش اس کی کرو یارو جہاں ہو

ٹھکانہ اس کا میں کیوں کر بتاؤں
خدا جانے وہ ہرجائی کہاں ہو

تراب استاد سے معلوم کرلو
طریقِ معرفت، گر قدرداں ہو

شاہ تراب علی ہی کے ایک خلیفہ شاہ امداد قلندر جن کی زندگی اپنے شیخ ہی کی خدمت میں گزری، ان کی ایک غزل یہ ہے[1]:

تصور جس کا ہر شام و سحر ہے
بتادے کوئی مجھ کو وہ کدھر ہے

بنا قبلہ نما کیا دل ہمارا
جدھر ہو یار بس یہ بھی ادھر ہے

نہو عاشق کسی پر کوئی کہدو
محبت میں بڑا خوف و خطر ہے

نگہِ دزدیدہ نے تو دل لیا ہے
یہ جان حاضر ہے سو تیری نذر ہے

ہوا ہے دل ہی دل میں کام اپنا
بھلا امداد یہ کیسا ہنر ہے

---

(۱) اتحاف الاخیار ص ۴۵۱

تین بڑے شاعر:

ہندوپاک میں اردوزبان و ادب کی تعلیم میں مولوی اسماعیل میرٹھی، نعت گوئی کی پر کیف اور مہکتی ہوئی سرزمینِ سخن میں محسن کاکوروی، اوراسلامیات اور فکروفلسفہ کے میدان میں علامہ اقبال، ان تینوں کے اثرات ہمہ گیراوربڑے وسیع رہے ہیں۔ ان تینوں کے رنگ اور آہنگ میں ایسی کشش اور زور ہے کہ ادب اردو کا کوئی طالب علم جس نے کچھ بھی زبان وادب کا مطالعہ کیا ہو ان کی خدمات اور مقام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ مگر مجھے یہاں قلندروں کی نسبت سے ان کاذکر کرناپڑا۔

مولوی اسماعیل میرٹھی:

یہ بات شاید کم ہی لوگوں کو معلوم ہو گی کہ مولوی اسماعیل میرٹھی قلندری سلسلہ سے وابستہ تھے اوران کی ذہنی تعلیم وتربیت اور فکروخیال کی پرورش اور پرداخت قلندر کے ماحول میں ہوئی ہے۔ وہ مشہور قلندر بزرگ حضرت غوث علی شاہ پانی پتی کے مریدان خاص میں تھے[1]۔

اردو زبان کی نظم اور نثر میں خواہ وہ عاشقانہ رنگ میں ہو یا تمدنی واخلاقی وسیاسی ہو قدیم وجدید ہر ایک طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے اور بقول مولانا شبلیؒ کے، جدید رنگ میں مولانا حالی کے بعد اگر کسی نے سننے کے لائق کچھ کہا ہے تو وہ مولوی اسماعیل صاحب میرٹھی تھے[2]۔

---

(۱) گلِ رعنا ص ۴۸۱ (۲) ایضاً

چند شعر:

ہے اشک و آہ راس ہمارے مزاج کو
یعنی پلے ہوئے اسی آب و ہوا کے ہیں
ان بددلوں نے عشق کو بدنام کردیا
جو مرتکب شکایتِ جور و جفا کے ہیں

خود فروشی حسن کو جب سے ہوئی مد نظر
نرخِ دل بھی گھٹ گیا جانیں بھی ارزاں ہو گئیں

کوئی دن کا آب و دانہ اور ہے
پھر چمن اور آشیانہ اور ہے
ہاں دلِ بیتاب چندے انتظار
امن و راحت کا ٹھکانہ اور ہے
شمع پھیکی رات کم محفل اداس
اب مغنی کا ترانہ اور ہے
اتفاقی ہے یہاں کا ارتباط
سب ہیں بیگانے، یگانہ اور ہے

بتلا دیا ہے راہ نمانے مجھے پتا
دنیا بھی اک مقام تری رہگور میں ہے
چل شاہراہِ دل میں، اُڑا توسنِ طلب
وحشت کا جوش چاہئے صحرا بھی گھر میں ہے

آئینہ بن کہ شاہد و مشہود ایک ہے
اس روئے پاک کو نظر پاک چاہیئے
ہر چشمہ آئینہ ہے رخ آفتاب کا
ہاں سطحِ آب بے خس و خاشاک چاہیئے

کرو دل کے ویرانے کی کنج کاوی
دبے اس کھنڈر میں ویرانے بہت ہیں

مولوی اسماعیل میرٹھی کا انتقال اگرچہ ۱۹۱۷ء میں ہوا ہے مگر ابھی قریبی زمانہ تک ان کی لکھی ہوئی اردو زبان کی ریڈریں (نصابی کتابیں) داخل نصاب رہی ہیں اور اب بھی کئی جگہ پڑھائی جاتی ہیں۔ وہ اپنی سلاست اور سادگی، شستہ اور شائستہ اردو، اور نظم و نثر کے دلکش اور ذوق آفریں طرز و انداز کی وجہ سے خاصی مقبول ہیں۔

محسن کاکوروی:

اردو زبان میں نعت نبوی کی صنف میں محسن کاکوروی کا نام اس قدر روشن اور تابناک ہے کہ اردو زبان و ادب کا کوئی طالب علم ان سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ مگر اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہاں ان کی قلندری نسبت کا کچھ تذکرہ کر دیا جائے۔ ان کا خاندانی شجرہ اس طرح ہے محسن علی بن حسن بخش بن حسین بخش شہید (اٹاوہ ۱۲۵۸ھ) ابن شاہ میر محمد قلندر کاکوروی۔

❖ شاہ میر محمد قلندر، حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کاکوروی کے برادر خورد تھے اور ان ہی سے ان کو قلندری سلسلہ میں خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔۲

---

(۱) اتحاف ص ۷۴ (۲) روض الازہر ص ۱۸۶۔ اتحاف ص ۷۴

وہ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے چنانچہ (۱) تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء اور (۲) تذکیر الاخوان وغیرہ ان کی علمی یادگار ہیں ۱۔ ۱۲۴۴ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا اور کاکوری ۲ ہی میں مدفون ہیں۔

❖ مولوی حسین بخش بھی قلندر سلسلہ کے شیخ طریقت تھے، ان کی دو کتابیں (۱) اختلاف البصریین والکوفیین اور (۲) نفحہ الہند ان کے علمی و تصنیفی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔

❖ محسن کاکوروی کے والد مولوی حسن بخش بھی صاحب علم و دیانت شخص تھے اور انھوں نے شیخ تقی علی قلندر سے تحصیلِ علم کی تھی ۳۔

محسن کاکوروی ۱۲۴۲ھ میں کاکوری میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر سے سولہ برس کی عمر تک اپنے دادا کے دامن تربیت میں پرورش پائی ۴۔ انھیں سے قلندری سلوک حاصل کیا اور خلافت پائی ۵۔ ان کے انتقال کے بعد اپنے والد مولوی حسن بخش اور مولوی عبدالرحیم سے مزید علمی استفادہ کیا۔ محسن کاکوروی کو شعری ذوق تو بچپن سے تھا، ابتدا میں کچھ غزلیں بھی لکھیں اور کبھی کبھی کسی کی فرمائش سے قصیدہ یا مثنوی وغیرہ بھی لکھیں مگر ان کی دلچسپی کا اصل میدان نعت نبوی تھا:

> ”محسن کاکوروی نے اپنی ساری زندگی، ذہانت و علمیت اور ادبی صلاحیتیں نعت گوئی کے لیے وقف کر دی تھیں۔ یہاں تک کہ مشہور ہے کہ داہنے ہاتھ سے جس وقت وہ نعت لکھتے تھے، دنیا کی کوئی اور چیز لکھنا پسند نہیں کرتے تھے“ ۶۔

---

(۱) اتحاف ص ۳۹۲ (۲) روض الازہر ص ۱۸۶ حاشیہ نمبر ۱ (۳) اتحاف ص ۳۹۳ (۴) گلِ رعنا ص ۴۵۵
(۵) اذکار ابرار ۳۹۳ (۶) کاروانِ مدینہ ص ۱۷۸۔ مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی“

کلیات محسن میں ان کے کلام کے جہاں اور دوسرے نمونے موجود ہیں وہیں ان کے مقبول اور معروف نعتیہ قصائد بھی یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں ''گلدستہ کلام رحمت'' اور ''سراپائے رسول اکرم ﷺ'' بھی ہے۔ وہ مشہور قصیدہ بھی جو شہیدی کے جواب میں ہے۔ اسی میں ''مدیح خیر المرسلین'' ان کا وہ مشہور نعتیہ قصیدہ ہے جس نے ہر کہ ومہ سے خراج تحسین وصول کیا ہے[1]۔ اس کا مطلع ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

محسن کاکوروی کے کلام کا عام جوہر ''مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان وشکوہ، بندش کی چستی، استعاروں کی رنگینی اور قصہ طلب تلمیحات ہیں جس میں ان کے معاصرین میں کوئی ان کا شریک نہیں بلکہ اردو شاعری میں اس کا جواب نہیں''[2]۔ امیر مینائی کے سامنے ایک مرتبہ ان کے بارہ میں تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ ''ان کا کلام ایک عالم ہے خیالات نادرہ کا کہ اس کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے اور ان کا ہر شعر معراج بلاغت ہے[3]''

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''محسن کا کلام صنائع بدائع اور تلمیحات سے ایسا پر ہوتا ہے کہ متبحر علماء اور دقیق ادیبوں کے سوا کوئی پورے طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتا ہے[4]''

رسول اکرم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری اور آپ کے فضائل ومحاسن پر انھوں نے اپنی مثنوی ''صبح تجلی'' میں زمزمہ سنجی کی ہے آپ کی ولادت باسعادت کا موقع آیا تو:

---

(۱) گلِ رعنا ص۲۵۶ (۲،۳) گلِ رعنا ص۳۵۷ (۴) کاروان مدینہ ص۱۷۸

ناگاہ بجلوۂ عبارت
پیدا ہوئی غیب سے بشارت
یہ صبحِ سعادتِ جہاں ہے
نو روزِ بہارِ جاوداں ہے
نازل ہے زمیں پہ کبریائی
بندے کے لباس میں خدائی
اس وقت دیار میں عرب کے
مطلع سے تجلیاتِ رب کے
برجِ شرفِ قریشیاں میں
اور ہاشمیوں کے خانداں میں
کعبے کی زمینِ نامور سے
اور عبداللہ کے گھر سے
اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے سرورِؐ دو عالم
پیدا ہوئے فخرِ نوحؑ و آدمؑ
محبوب خدا نبی مرسلؐ
صبح دو مین روز اول
مقصودِ ازل اجل واعلیٰ
منظورِ حضورِ حق تعالیٰ
عینِ عرفان ومردمِ عین
ابروئے جبینِ قابِ قوسین

جان و دلِ مرسلیں محمدؐ
روحِ روح الامیں محمدؐ

کیفیت وجد میں ہے اب ذوق
کہتا ہے خطیبِ خامۂ شوق

ہے ذکرِ ولادتِ پیمبرؐ
اعلیٰ اولیٰ اہم واکبر

اپنی مشہور مثنوی ''چراغ کعبہ'' میں شب معراج کا حال لکھا ہے، اس میں حضرت جبرائیل کے آنے اور آپ کو بیدار کر کے براق پر سوار کرنے اور معراج پر لیجانے کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

آداب سے آپ کو اٹھایا
یا اپنے نصیب کو جگایا

بیدار ہوئی جو چشم حق بیں
آ ہو ہوئی شکل خوابِ شریں

دیکھا کہ عجیب ماجرا ہے
گھر برجِ قمر بنا ہوا ہے

انشائے رموز غیب مخبر
ہونے کا نہیں یہ دن کبھی پھر

سونا کبھی ہو نہ ہو جگانا
لیتا رہے کروٹیں زمانہ

طالع میں نہیں یہ شب کسی کے
اختر سو بار سو کے جاگے

ہوگی نہ یہ پھر زمیں کی توقیر
مٹی ہو ہزار بار اکسیر

انوار کا ہے ورودِ پیہم
تاروں کی برس رہی ہے شبنم

جبرئیلؑ ہیں اور براق بھی ہے
قاصد بھی ہے، اشتیاق بھی ہے

غرض محسن کاکوروی جیسے مردِ مومن اور مردِ قلندر کا سرمدی نغمہ ''ذاتِ نبوی ﷺ'' ہی کی مدح سرائی میں مچلتا، مہکتا اور شمعِ نبوت ہی کے ارد گرد گردش کرتا ہے۔ کیوں نہ ہو وہ شمعِ نبوت بھی تو باغِ ہستی میں یگانہ و بے مثال ہے۔ محسن کاکوروی کہتے ہیں:

گلِ بے رنگیٔ مطلق کے لہکتے گلزار
بے نیازی کے ریاحین مہکتے جنگل

باغِ تنزیہ میں سرسبز نہالِ تشبیہ
انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کوپل

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی
زیبِ دامانِ ابد، طرۂ دستارِ ازل

(مدیحِ خیر المرسلین کے چند شعر)

قلندر اور اقبال[1]:

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے کلام اور پیام سے دورِ جدید کے تمام ہی ادبی اور فکری حلقے روشناس ہیں۔ انھوں نے مغربی تہذیب و تمدن کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا پھر بڑی جرأت اور وضاحت کے ساتھ اس کے خیر و شر کا جائزہ لیا ہے۔ نوجوانوں کے سینوں میں شاہین کا جگر اور مومن کی آہِ سحر

---

(۱) یہ مضمون ماہنامہ نوائے دار العلوم (موناتھ بھنجن) کے شمارہ نمبر ۷ جلد نمبر ا جولائی ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا

پیدا کرنے میں انھوں نے قلندرانہ شان کے ساتھ مترنم نغمے دیئے ہیں۔ اسلامیات کا جس سائنٹفک انداز میں انھوں نے تعارف کرایا ہے اس بارہ میں ان کا حسن اسلوب اور جمال تعبیر، فکر کی بلندی اور نقد کی سربلندی بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ طوفانِ سیل حوادث ہے جس کے سامنے اقبال تنِ تنہا کھڑے ہوگئے اور پھر جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں، جواں حوصلہ لوگوں، جواں فکر اور جواں عزم بہادروں کی پوری نسل اقبال کا ترانہ گانے لگی اور فکر اقبال کا جھنڈا لہرانے لگی۔ اقبال کی ان ''فتوحات'' میں جو قلندرانہ شان جلوہ گر ہے اس سے ہم صرفِ نظر کرنا بھی چاہیں تو نہیں کرسکتے۔

اقبال کی شاعری خود بھی ان کی شانِ قلندری کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہے .... کئے ہیں فاش رموز قلندری میں نے .... اور .... خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری، یہ سب کچھ کیا ان کی نسبت اور فکر و خیال کے سرچشمہ کی نشان دہی نہیں ہے۔ ایک جگہ تو وہ اپنے افکار کو ''قلندر کے اسرار'' سے تعبیر کرتے ہیں جنھیں وہ اپنے کلام کے ذریعہ آشکارا کرتے چلے گئے ہیں۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

یہ بات کہ اہل جہاں کو اقبال کی شاعری میں جو چیز پسند آئی وہ ان کی قلندری ہے اور اقبال نے اپنے کلام میں ایک قلندر ہی کی طرح اسرار کتاب بیان کئے ہیں اور خلاصۂ علمِ قلندر کو اہل نظر کی خدمت میں عام کیا ہے تاکہ سکندرانہ جلال کے ساتھ قلندرانہ ادائیں ہم آغوش ہو کر اس ملت کو جہاں میں شمشیر برہنہ بنادیں۔ یہ بات کلام اقبال میں بار بار دہرائی گئی ہے مگر اسی کے ساتھ خدایانِ خانقہی کو اقبال کے یہاں قلندری روح تو ملتی

ہے مگر نام نہاد قلندروں اور روایتی صوفیوں کے ''رسوم'' نظر نہیں آتے۔ اقبال کے نزدیک قلندر رسوم کا پابند ہو یا سکندر پابہ زنجیر روایتوں کا نخچیر، یہ دونوں دراصل اس سحر میں گرفتار ہیں جس کے اقبال حریف رہے ہیں۔ رسوم کی پابند قلندری ہو یا کہ سکندری دونوں ان کے نزدیک رسم ہیں روح نہیں، سحر اور شعبدہ ہیں حقیقت نہیں۔ اسی لیے خدایان خانقہی اپنے مانوس آئینہ میں اقبال کو دیکھتے ہیں تو ان کو اپنا حریف سمجھ لیتے ہیں۔

اقبال نے عجم کے سامنے جو زبور پیش کی ہے اس میں بھی ناگفتنی کو قلندرانہ کیف و مستی ہی کی وجہ سے گفتنی بنا گئے ہیں چنانچہ اپنے دیوان ''زبور عجم'' کے حصہ اول کا آغاز ہی اس شعر سے کرتے ہیں:

زبر ونِ در گزشتم زدوونِ خانہ گفتم
سخنے نگفتۂ را چہ قلندرانہ گفتم

اسی زبور عجم میں ایک پوری غزل انہیں مضامین پر ہے:

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گِل کوشند
زشاہ باج ستانند وخرقہ می پوشند (۱)
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و ماہ پیچند
بخلوت اند وزمان ومکان در آغوشند
بروزِ بزم سراپا چوں پر نیان وحریر
بروزِ رزم خود آگاہ وتن فراموشند

(۱) ایک خط میں اقبال علامہ سید سلیمان ندوی کو ''قلندر'' قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں: ''آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے
قلندراں کہ براہ تو سخت می کوشند زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
(نقوشِ اقبال نمبر ۲ ص ۵۱۴)

نظامِ تازہ بچرخ دو رنگ می بخشند
ستارہ ہائے کہن را جنازہ بردو شند
زمانہ از رخِ فردا کشود بندِ نقاب
معا شراں ہمہ سر مستِ بادۂ دوشند
بلب رسید مرا آں سخن کہ نتواں گفت
بحیر تم کہ فقیہانِ شہر خامو شند (۱)

ازل سے قلندروں کا جو طریق رہا ہے اس سے واقفیت پیدا کرنی ہو تو کلام اقبال کا مطالعہ ضروری بھی ہے اور مفید بھی، ان کے نزدیک مرد مومن کی بلند صفات کا رمز جس طرح شاہین ہے اسی طرح قلندر بھی ہے۔ وہ انہیں بلندی و آگہی، استغناو بے خودی کا پیکر، جلوت میں مہر و ماہ پر کمند ڈالنے والا اور خلوت میں زمان و مکان کو اسیر رکھنے والا، حال کی کروٹوں کو سمجھ کر فردا کے چہرے سے نقاب الٹ دینے والا اور بادۂ عشق الٰہی سے سرشار مرد مومن نظر آتا ہے۔ رفیقوں میں ہو تو ابریشم کی طرح نرم اور رزم میں ہو تو اپنے مقام سے آگاہ اور مقصد کے حصول میں اپنے تن بدن سے بے پرواہ، آب و گل کی تسخیر اس کا پیشہ اور شاہوں سے خراج وصول کرنا اس کا شیوہ اور پھر بھی اپنے خرقہ میں پیوست اور اپنے حال میں مست۔

وہ بتاتے ہیں کہ بحر ظلمات کی گہرائیوں اور تاریکیوں کے سمندر میں سے گوہرِ یک دانہ، قلندر کے انداز ملوکانہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ وہ مدرسہ و خانقاہ کی فکر کو زمان و مکان اور رسوم کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں قلندر کی جرأت رندانہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اقبال مومن کے اندر وہ جذبِ قلندرانہ

(۱) زبور عجم ص ۱۷۰

دیکھنے کے خواہشمند ہیں جس سے کبھی نظروں میں ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی تھی کہ اس کے اثر سے دل سینوں میں کانپ جاتے۔ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق .... اور .... تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن .... قلندر کی اس رہنمائی کی اقبال کے نزدیک زمانہ کو آج بھی ضرورت ہے اور یہ کہ نعرۂ مستانہ، کعبہ ہو کہ بت خانہ، خودی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور خودی جو خدا سے ٹوٹ کر پیدا ہوئی ہو، وہ خود فریبی کی ایک قسم ہے جو انسان کو خدا کی اس کائنات میں ذرۂ بے مقدار اور متاعِ بے وقار بنا دیتی ہے لیکن اگر خودی لاالٰہ کی ضرب سے کندن ہو چکی ہو اور اس کی توانائیوں کا سرچشمہ الااللہ کی شراب معرفت ہو تو پھر قلندر کی بارگاہ میں وہ بات پیدا ہو جاتی ہے جو تخت و تاج اور لشکر و سپاہ میں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

بہر حال خوش مذاق اہل علم، کے سامنے اقبال کے فکر و فن کے جو تابندہ نقوش پیش کیے گیے وہ اب خود اقبال ہی کے کلام میں پڑھ لیجیے، قلندری طریق کے تعارف کے علاوہ یہ اشعار خود اقبال کی سوانح کا ایک قیمتی حصہ ہیں:

بالِ جبریل

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

کیے ہیں فاش رموز قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

قلندر جز دو حرفِ لاالہٰ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغتہائے حجازی کا

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
و گرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

یہ ہے خلاصۂ علم قلندری کہ حیات
خدنگ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتابِ آخر

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

بانگِ درا

دمِ زندگی رمِ زندگی، غمِ زندگی سمِ زندگی
غمِ رم نہ کر، سمِ غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری

ارمغانِ حجاز

کلام فارسی:

قلندر میل تقریرے ندارد
بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خونِ شبیرے ندارد

قلندر جرہ باز آسمانہا
بہ بال او سبک گرد گرانہا
فضائے نیلگوں نخچیر گاہش
نمی گردد بگردِ آشیانہا

کلام اردو:

قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں
خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں

سکندری ہو، قلندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ
حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خانقاہی

تھا یہ اللہ کا فرمان کہ شکوہِ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات

انھوں نے زبور عجم (ص ۴) میں ایک جگہ یہ بتایا ہے کہ درونِ خانہ کے رازوں کا انکشاف دراصل انھوں نے قلندرانہ روایات کی وجہ سے کر ڈالا ہے:

زبرونِ در گذشتم زدرونِ خانہ گفتم
سخنے نگفتۂ را چہ قلندرانہ گفتم

یہی بات وہ ضرب کلیم میں بھی کہتے ہیں:

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش

بالِ جبریل

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ

یا سنجر و طغرل کا آئینِ جہانگیری
یا مرد قلندر کے انداز ملوکانہ

یا حیرت فارابی یا تاب و تبِ رومی
یا فکر حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ

یا عقل کی روباہی یا عشقِ یداللہی
یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ

یا شرعِ مسلمانی یا دیر کی دربانی
یا نعرۂ مستانہ، کعبہ ہو کہ بتخانہ

میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

علمی اور تصنیفی ذوق

قلندری بزرگوں نے تصنیف و تالیف سے بھی شغل رکھا ہے اور درس و تدریس کا مشغلہ بھی اختیار کیا ہے۔ ان کے یہاں تجرید و تفرید کے ساتھ نکاح و شادی کا بھی دستور تھا۔ تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں خالص علم و عرفان یا دینی موضوعات کے علاوہ بھی قلندر بزرگوں نے دوسرے عنوانات پر کتابیں لکھی ہیں۔

شاہ علی انور قلندر (م ۱۳۲۴ھ) تصنیفی مشغلہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ہمارے یہاں کا طریقہ اصلی قلندر یہ ھے جس میں فناء الفنا اور گم نامی ھے۔ بسبب جامعیت کے یہ طریقہ سجادہ نشینی وجبہ و دستار و تالیف و تعلیم و تعلم کا اختیار کرلیا گیا ھے تاکہ عامۂ خلائق اس خاندان سے بھی ظاھری امور شرعی و اخلاقی میں مستفید ھوں اور باطناتالیفات کی وجہ سے مذاقِ صوفیہ سے بے بھرہ نہ رھیں[1]۔

(۱) اتحاف ص ۱۷۵

یہاں قلندری شیوخ کی تصنیف کردہ چند کتابوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس سے ان کے تصنیفی ذوق اور علمی وادبی دلچسپیوں کا اندازہ ہو اور قلندری سلوک کے بارہ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی یہ فہرست رہنمائی کا کام دے۔ یہ خیال رہے کہ یہ تصنیفات تصوف و تاریخ، فقہ وادب، سیرت وسوانح، علم نحو اور ریاضی اور شعر و سخن میں سے ہر موضوع سے تعلق رکھتی ہیں اور قلندر کا ذوق کسی خاص علم وفن میں محدود نہیں۔ بہر حال اب تصنیفات کی یہ ایک مختصر فہرست ملاحظہ ہو:

۱	گنج الاسرار مشہور بہ قصیدۂ کبری (اذکار شاہ نجم الدین قلندر دہلویؒ قلندریہ کے بیان میں)	
۲	صراط المستقیم شرح گنج الاسرار	مولانا نظام الدین (خلیفہ قطب الدین بینادلؒ)
۳	دیوان	شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ پانی پتی
۴	حکمنامہ (اس کی نسبت درست نہیں)[۱]	" " "
۵	مثنوی	" " "
۶	مکتوبات	" " "
۷	رسالہ غوثیہ	شیخ حسین سرہرپوری (خلیفہ شاہ نجم الدینؒ)
۸	مناقب الخلفاء	شاہ مجتبی (مجاّ) قلندر لاہرپوری
۹	حجۃ العارفین	" " "
۱۰	انیس العاشقین	" " "
۱۱	رموز العارف	قاضی عبد الرحمان عارف شرمی کمال پوری (خلیفہ شاہ فتح قلندر جونپوری)
۱۲	قصص الاسرار (فارسی)	" " "

(۱) روض الازہر ص ۱۶۸ بحوالہ اخبار الاخیار

۱۳	رسالہ تلقینیہ	" " "
۱۴	مراد المریدین (ملفوظات قاضی محمد تقی قلندر مہونوی (م۱۱۷۶ھ)	شاہ مراد علی جونپوری
۱۵	مصقلۃ الاولیاء فی شرح مرآۃ القلندریہ	شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری
۱۶	شهود المقربین	" " "
۱۷	بحر زخار	شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنوی
۱۸	بیعت الرضوان (احکام بیعت واقسام خلافت)	شاہ باسط علی قلندر الہ آباد (خلیفہ شاہ الہدیہ لاہرپوری)
۱۹	مثنوی کشف الرموز	" " "
۲۰	مناقب الاصفیاء	" " "
۲۱	فصول مسعودیہ	شاہ مسعود علی (بن شاہ باسط علی الہ آبادی)
۲۲	مناقب الاصفیاء فی سلسلۃ الاولیاء	شاہ فضل علی (خلیفہ شاہ باسط علی)
۲۳	حساب الیسیر (علم حساب میں)	سید احمد عرف سید الہدیہ ہرگامی (م۱۱۵۵ھ دہلی)
۲۴	شرح وجیز (علم فرائض میں)	" " "
۲۵	نادر البیان (علم نحو میں)	" " "
۲۶	تحفۂ نیشاپوریہ (خاندانی حالات)	" " "
۲۷	سانت رس معروف بہ نغمات الاسرار (برج بھاشا میں معرفت واسرار پر شعری مجموعہ)	شاہ محمد کاظم قلندر کاکورویؒ
۲۸	اصول المقصود (ملفوظات شاہ محمد کاظم قلندرؒ)	شاہ تراب علی کاکوروی (م۱۲۷۵ھ)
۲۹	مقالات صوفیہ	" " "
۳۰	مجاہدات الاولیاء	" " "
۳۱	اختلاف البصریین والکوفیین	مولوی محمد حسین بخش شہید (۱۲۵۸ھ رسول آباد اناؤ) (خلیفہ وصاحبزادہ شاہ میر محمد قلندر کاکوروی م۱۲۴۴ھ)
۳۲	محبۃ الہند	" " "

۳۳ روض الازہر فی مآثر القلندر	شاہ تقی علی قلندر (م ۱۲۹۰ھ)
۳۴ مطالب رشیدی	شاہ تراب علی کاکوروی
۳۵ تنویر الھیاکل بذکر استاد الاوراد والسلاسل	شاہ حبیب حیدر کاکوروی (م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء)
۳۶ الایضاح تتمہ الانتصاح	,, ,, ,,
۳۷ فیض التقی فی حل مشکلات بن العربی	شاہ علی انور قلندر
۳۸ الحوض الکوثر فی تکملۃ روض الازھر	,, ,, ,,
۳۹ الانتصاح عن ذکر اھل الصلاح	,, ,, ,,
۴۰ الدر الیتیم فی ایمان آباد النبی الکریم ﷺ	,, ,, ,,
۴۱ شامۃ العنبر فی میلاد خیر البشر	,, ,, ,,
۴۲ الدرۃ البیضاء فی تحقیق صداق فاطمۃ الزہراء	,, ,, ,,
۴۳ تحریر الانور فی تفسیر القلندر	,, ,, ,,
۴۴ عیون المعارف	منشی وھاج الدین ڈپٹی کلکٹر
۴۵ الکھف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	,, ,, ,,
۴۶ کبریت احمر فی تحقیق القلندر	,, ,, ,,
۴۷ النفحات العنبریہ من انفاس القلندریہ (پہلا ایڈیشن: اتحاف الاخیار ۱۳۳۱ھ)	شاہ تقی حیدر قلندر (م ۱۳۵۹ھ)
۴۸ النفحات العنبریہ من انفاس القلندر (دوسرا ایڈیشن: اذکار الابرار ۱۳۵۶ھ)	,, ,, ,,
۴۹ فیوض العارفین	,, ,, ,,
۵۰ ہفت رسائل قلندریہ	,, ,, ,,
۵۱ مصباح التعرف لارباب التصوف	شاہ علی حیدر قلندر
۵۲ تذکرہ مشاہیر کاکوری	,, ,,
۵۳ تذکرہ حبیبی (دو حصے)	,, ,,
۵۴ خمسۂ قلندریہ	
۵۵ تعلیمات قلندریہ	شاہ محمد تقی حیدر قلندر

عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت وکوہسار

امام ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں:

تنہائی پسندی خدا کے خاص بندوں کی پہچان اور مخلوق سے علیحد گی وصل حق کی نشانیوں میں سے ہے۔ مرید کے لیے ابتدا میں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ہم مذاق لوگوں سے الگ ہو جائے اور آخر میں یہ کہ وہ خلوت اختیار کرے تا کہ اپنی کیفیات کو باقی رکھ سکے۔ اور بندہ کو یہ چاہئے کہ عزلت اختیار کرتے ہوئے یہ نیت کرے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ نیت نہ کرے کہ وہ مخلوق کے شر سے بچ جائے۔ اس لیے کہ پہلی نیت میں اپنے آپ کو حقیر جانتا ہے اور دوسری نیت میں مخلوق سے اپنے کو ممتاز سمجھتا ہے۔ جو اپنے کو حقیر جانے وہ متواضع ہے اور جو دوسرے کے مقابلہ میں اپنا کوئی امتیاز اور خصوصیت سمجھے وہ متکبر ہے[1]۔

تنہائی پسندی اور خلوت گزینی کے یہی وہ مقاصد تھے جن کی وجہ سے اہل دل بزرگوں نے اپنی قیام گاہ عام آبادی سے ہٹ کر بنائی یا خلوت در

(۱) الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ص۵۰ باب الخلوۃ

انجمن کے لیے کوشاں رہے۔ مختلف ملکوں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر جنگلات کے وسیع غاروں اور پہاڑی دَرّوں میں جگہ جگہ عبادت اور ریاضت کرنے والے بزرگوں کے نشانات اور آثار قدم آج بھی پائے جاتے ہیں مگر ذکر وعبادت کی حرارت نے جلد ہی جنگل میں منگل اور صحرا میں گلزار کی کیفیت پیدا کردی۔ ویرانوں میں جب عشق الٰہی اور توحیدِ حق کی حرارت بڑھی تو خدا کی مخلوق کے دل اسی کی طرف کشش محسوس کرنے لگے۔ ابتدا میں جو ''عمل'' ویرانوں میں لے گیا تھا اسی کی گرمی اور تپش، خلق خدا کے دلوں کے لیے آبِ زلال اور ان کے امراض کے لیے شفا کا ذریعہ بن گئی اور جلد ہی یہ ویرانے آبادیوں میں تبدیل ہو گئے۔

یہ کیفیت قلندری بزرگوں کے ساتھ بھی پیش آئی۔ انھوں نے جہاں جہاں قیام کیا وہ جگہ آبادی سے باہر ہوتی اور ایسا عام طور پر ہوا لیکن ذکر و فکر کی گرم بازاری نے جلد ہی ویرانے کو آبادی میں تبدیل کر دیا۔ برصغیر ہندوپاک میں سیکڑوں مقامات پر ان کے تکیے اور خانقاہیں دشت و کوہسار کی آبادی کا سبب بن گئیں۔

جنگلات کے قدرتی ماحول میں تصنع اور تکلف سے دور رہ کر یا پہاڑوں کی چٹانوں پر ایک شاہین کی طرح قلندر نے اپنی خودی، خودداری، خدا طلبی اور عشق الٰہی کی حفاظت اور تربیت کی اور ان خلوت کدوں میں رہ کر وہیں سے جلوت کی آماجگاہوں کو نور معرفت عطا کیا۔ انسانوں کے دلوں کی انگیٹھیوں میں ایمان کی حرارت اور یقین و معرفت کی گرمی پیدا کی اور دنیا میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو فنائیت کا درس دیا۔ ان ویرانوں میں سے جو آباد ہیں ان میں سے چند بغیر کسی انتخاب کے پیش خدمت ہیں کہ یہ بھی قلندر کی سوانح اور اس کے ذوق و مزاج کے آئینہ دار ہیں۔

سرائے میر:

"شاہ گنج سے چند میل دور بہ سمت مشرق سرائے میر آتا ہے جس نے حضرت میر عاشقاں علیہ الرحمہ کی نسبت سے سرائے میر کا نام پایا ہے۔ یہاں ان کا مزار اب تک یادگار ہے۔[1]"

یہ میر عاشقاںؒ، حضرت شاہ عبد القدوسؒ عرف شاہ قدّن کے خلیفہ تھے۔ شاہ قدن کا مزار سرائے میر سے بجانب مشرق دس میل کی دوری پر آباد قصبہ نظام آباد (ضلع اعظم گڑھ) میں ہے۔ مؤلف رشید یہ دیوان عبد الرشید قلندر جونپوری کا مزار بھی یہیں ہے۔[2]

میر عاشقاں کو قلندری سلسلہ کی خلافت حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری سے حاصل تھی اور شیخ بہاء الدین جونپوری، شیخ حسین سرہرپوری (مؤلف رسالہ غوثیہ و خلیفہ شاہ نجم الدین دہلوی) کے خلیفہ تھے جیسا کہ ان کے ملفوظ میں ہے۔[3]

بہر حال میر عاشقاں کی جائے قرار سرائے میر کے نام سے مشہور ہو گئی اور بعد میں وہ آہستہ آہستہ ایک بڑی آبادی اور قصبہ میں تبدیل ہو گئی۔

علن پور:

یہ جگہ جونپور میں ہے اور شاہ محمد قطب قلندر جونپوری کی آباد کردہ ہے۔ انھوں نے اپنے صاحبزادہ اور جانشیں شیخ الاسلام شاہ عبد السلام قلندر عرف شاہ علّن کے نام سے اس موضع کو آباد کیا۔[4]

---

(۱) حیاتِ شبلی ص ۵۵ (۲) ایضاً ص ۵۶ (۳) اذ کار ابرار ص ۷۳۔۱۲۹ (۴) ایضاً ص ۱۰۲

قلندر پور جونپور:

شاہ فتح قلندر کچھ عرصہ کے بعد علن پور سے چلے گئے اور ایک جنگل میں جا کر ٹھیرے۔ وہیں ایک بستی قلندر پور کے نام سے آباد کرلی اور چند ہی دنوں میں یہ جگہ خوب آباد ہو گئی[1]۔

قلندر پور اعظم گڑھ:

ایک عرصہ کے بعد شیخ فتح قلندر، اعظم گڑھ کی تحصیل نظام آباد گئے تو وہاں بھی قلندر پور کے نام سے ایک موضع آباد کیا[2]۔

تکیہ مظہر کل شاہ، کوٹ ضلع فتح پور یوپی:

حضرت مظہر کل شاہ قلندر نے لاہر پور ضلع سیتاپور سے آکر جب مستقل طور پر کوٹ ضلع فتحپور کو اپنا وطن بنالیا تو یہاں بھی عام آبادی سے ہٹ کر الگ دریائے جمنا کے کنارے جانب مغرب قیام کیا۔ آہستہ آہستہ خدمت گزاروں کی وجہ سے آبادی بڑھتی گئی اور تکیہ مظہر کل کے نام سے ایک مستقل آبادی ہو گئی۔

ان بزرگوں کی آباد کردہ سیکڑوں بستیاں ہیں جن میں سے بہت سی آج مادی رونق اور تجارتی گرم بازاری کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے بڑی اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ یہاں جن پانچ جگہوں کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ان کی تجارتی اور تمدنی ترقی کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف یہ بتانے کے لیے کہ اللہ کے یہ قلندر بندے بھی جہاں بیٹھ گئے ویرانوں کو چمن بنا گئے۔ وہ عیسائی راہبوں یا ہندو جوگیوں کی طرح تارک دنیا نہ تھے بلکہ اپنی ایمانی قوتوں کی پرورش اور

---

(۱) اذکار الابرار ص ۱۳۶ (۲) ایضاً

ذکر و عبادت کے ساتھ انسانوں کی ایک نئے ڈھنگ سے تربیت اور رہنمائی کے لیے انھوں نے اپنی خلوت گاہوں کو استعمال کیا۔ شہروں کے درباری اور مصنوعی ماحول سے ہٹ کر قدرت کے پیدا کردہ گل و گلزار میں رہ کر ان کے لیے حسنِ فطرت کا دیدار اور مشاہدۂ حق کی گفتگو دونوں آسان معلوم ہوئے۔ آبادیوں سے کھنچ کھنچ کر لوگ ان کے پاس پہنچتے اور توحید و مساوات، خدمتِ خلق اور فنائیت، صبر اور حوصلہ مندی کا درس لیتے۔ قلندر نے اپنے خاص انداز کی یہ درس گاہیں، تربیت گاہیں اور نفسیاتی امراض کے لیے یہ روحانی شفاخانے جو تعمیر کیے ہیں تو اب جدید نقطۂ نظر بھی انھیں کی تائید و حمایت کرنے لگا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو ایسی تربیت گاہوں کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ان کی اہمیت و افادیت کا جدید ماہرین تعلیم و تربیت بھی اب اعتراف کرنے لگے ہیں۔

نام نہاد قلندر یا قلندر کے روپ میں بہروپیے

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم نام نہاد قلندروں کی بھی کچھ کھوج کرید کرلیں۔ یوں تو چشتی سلسلہ ہو یا قادری، سہروردی طریق ہو یا نقش بندی یا تصوف کے دوسرے مستند اور معتبر طریق ہر ایک کے لیے نمونہ اور اساس یا معیار حق ایک ہی ہے یعنی قرآن مجید، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ۔ جب اور جہاں کہیں لغزش یا بھول چوک ہو گی انہیں تینوں سرچشموں سے اس کی چھان بین کرلی جائے گی۔ ان تینوں سرچشموں سے کوئی بھی بالاتر نہیں اور ہر ایک کو ان کی ضرورت ہے۔ تصوف کے یہ تمام سلسلے ان اولیاء اللہ اور مقبولان حق کی دَین ہیں جنہوں نے ہر لمحہ قرآن مجید کے اشاروں اور رسول اکرم ﷺ کے چشم و ابرو پر نظر رکھی ہے اب یہ

دوسری بات ہے کہ تاریخ کی نظروں سے ان اولیاء کرام کی زندگیوں کے بہت سے نقوش اوجھل ہو گئے ہوں یا کوتاہ فہموں اور غرض مندوں نے ان بزرگوں کے سوانحی اوراق میں اپنے فکر وخیال اور ذوق ورجحان کی پرچھائیاں ڈالدی ہوں، مگر چونکہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت لی ہے اس لیے اس شفاف آئینہ کی مدد سے آج بھی ہر ایک چہرہ کا گردوغبار دور کیا جاسکتا ہے۔ تفسیر وحدیث اور فقہ وتصوف کے کسی بھی بڑے سے بڑے ''امام'' کا قول یا ارشاد حرف آخر نہیں ہے۔ ان کے جو خیالات ان کی ذاتی رائے کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو تسلیم کرنا کسی کے نزدیک بھی مدارِ ایمان نہیں۔ یہ حیثیت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی محمد عربی ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ امامان شریعت ہوں یا بزرگان طریقت دونوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے حال وقال ہی کو اپنے پیش نظر رکھا ہے اور اسی کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اسی لیے ان کو مسلک اور مشرب میں فرق اور اختلاف کے باوجود یکساں تقدس اور احترام حاصل رہا ہے۔ مگر غرض کے بندوں نے خلق خدا کو دھوکہ دینے کے لیے ہمیشہ اچھا اور پسندیدہ لباس ہی زیب تن کیا ہے تاکہ اس کی آڑ میں دنیا کی متاعِ قلیل حاصل کی جاسکے یا شریعت محمدی ﷺ کی پابندیوں سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے۔

تصوف کے دوسرے سلسلوں میں جانی بوجھی سازش یا کسی دنیوی غرض سے بہروپ بھرنے والوں کی سرگزشت آپ کو ان سلسلوں پر لکھی گئی تاریخوں میں تفصیل سے ملے گی۔ اسی طرح علمی وفکری بھول چوک، علم کی کمی یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے غلط سمت میں نکل جانے والوں کے حالات بھی وہاں آپ کی نظر سے گزریں گے۔ ان کی تفصیل کا نہ تو یہ کوئی موقع ہے نہ ہی ہمارے موضوع سے اس کا کوئی تعلق، مجھے تو یہاں صرف

اس بات کی تشریح کرنی ہے کہ قلندری سلسلہ بھی نام نہاد قلندروں کی وجہ سے بہت کچھ بدنام ہوا ہے۔ غلط کار افراد نے اس نام سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور قلندری سلسلہ کے مخلص اکابر نے ان کا پردہ چاک کیا ہے۔ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب عوارف المعارف میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الباب التاسع فی ذکر من انتمی الی الصوفیة ولیس منھم فمن اولئک قوم یسمون انفسھم قلندریة تارة وملامیة اخریٰ الخ ''[1]

نواں باب ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو صوفیہ کی طرف منسوب ہیں حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہیں- ان میں سے کچھ لوگ اپنے کو کبھی قلندر کہتے ہیں اور کبھی ملامتی .....'

شیخ تقی علی قلندر اپنی بیش قیمت کتاب روض الازہر میں ان نام نہاد قلندروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ایک گروہ نے اتباع شریعت کی بندش اور سلف صالحین کی اقتداء سے علم و عمل دونوں میں اپنی گردنیں آزاد کرلی ہیں. وہ اہل کمال کی صفات سے عاری اور بیگانۂ محض ہیں. صوفی ملامتی اورقلندری کا نام ان کے لیے عاریت اور آوردھے حقیقت نہیں وہ قادری ہوں یا قلندری، چشتی ہوں یا نقش بندی [2]''۔

(۱) عوارف المعارف ص ۷۱ (ملحق احیاء العلوم۔ مطبوعہ قاہرہ) (۲) روض الازہر ص ۷۲

ہندوستان میں حضرت شیخ محی الدین بن عربی (۵۶۰ھ-۶۳۸ھ) کے علوم کے ایک بڑے محقق اور صاحب جذب بزرگ مخدوم علی بن احمد مہائمی (م ۸۳۵ھ / ۱۴۳۱ء) توحید وجودی کے زبردست داعی تھے، وہ عوارف کی شرح ذوارف میں لکھتے ہیں:-

قلندری طریق یا اس کے علاوہ دوسرے طریق میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو شیطان نے فتنہ میں ڈالدیا ہے وہ اپنے کو ملامتی کہتے ہیں تو یہ بات اس طرح پر تو درست ہے کہ جو کام وہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے شریعت ان پر ملامت کرتی ہے۔ انھوں نے صوفیہ کا نام اختیار کرلیا ہے اور چونکہ وہ صوفیہ کے طریق پر نہیں ہیں اس لیے انھوں نے صوفیہ کا لباس صرف اس لیے پہن رکھا ہے تاکہ صوفیہ کے حالات سے بے خبر عوام ان کو صوفی سمجھیں۔ حالانکہ صوفیہ سے انہیں کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔ وہ ملامتیہ اس مفہوم میں نہیں ہیں جو ہمارے یہاں پسندیدہ ہے بلکہ اس طرح کہ ان کے مذموم اور برے کاموں کی وجہ سے شریعت ان پر ملامت کرتی ہے۔ یہ ملامتیہ صوفیہ کے یہاں قابل تعریف نہیں ہیں بلکہ اس نام اور لباس، غلط عقیدہ و خیال اور برے اعمال و افعال کے فریب میں پڑنے کی وجہ سے وہ نہ صوفی ہیں نہ ملامتی اور نہ ہی قلندر۔ ملامتیہ اور قلندر کا نام رکھ لینے کی وجہ سے انہیں کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ اس کی حقیقت ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ صوفیہ کا لباس پہن لینا بھی انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا، کیوں کہ یہ لباس تو برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اور ان لوگوں سے بچنے کے لیے اختیار کرتے ہیں جو ان کو فسق و فجور کی طرف منسوب کرتے ہیں...... یہ کہتے ہیں کہ شریعت کی ظاہری رسموں کو اختیار کرنا عوامی درجہ کی چیز ہے تاکہ

عوام میں نور باطن پیدا ہو اور وہ خدا سے لَو لگائیں (اور خواص کے لیے شریعت کے ظاہری اعمال ضروری نہیں ہیں) حالانکہ یہ خیال خالص الحاد، دین سے انحراف اور اصل زندیقیت ہے کہ باطن میں کفر چھپا ہوا ہے اور زبان پر اسلام کا نام ہے۔ یہ خدا سے حقیقی دوری کا نتیجہ ہے اس لیے کہ اگر خدا کے لیے ان کے ضمیر مخلص ہوتے تو وہ اس کی مرضی کو تلاش کرتے اور اس کی ناراضگیوں سے بچتے جس طرح کہ دنیاوی بادشاہوں کے مقرب کیا کرتے ہیں۔ وہ خدا کی ان حدوں سے باہر نہ ہوتے جن کو خدا نے سب پر مقرر کیا ہے اور سب پر لازمی قرار دیا ہے۔ یہ اس بنا پر کہ ظاہر کو معطل کر دینے سے باطن بھی یقینی طور پر گرد آلود ہو جاتا ہے...... انبیاء، مقرب فرشتے، اور مشائخ سلف نے خدا کے اوامر و نواہی کی انجام دہی خوف کھاتے اور لرزتے ہوئے کی ہے۔ شریعت نے جس حقیقت کو رد کر دیا ہے وہ زندقہ ہے .... اور شریعت کتاب و سنت اور اجماع کا نام ہے۔ اور ہر وہ چیز جو ان کے خلاف ہو وہ دین سے بغاوت ہے اور محققین کا اس بات پر اتفاق ہے[1]۔

امام ربانی حافظ عبدالوہاب شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ / ۱۵۶۶ء) ارشاد الطلبۃ والمریدین میں فرماتے ہیں کہ:

> طریقت کے دعویدار، تصوف کا لباس پہنے ہوئے اُس گروہ سے بچو جنھوں نے سچے بزرگوں جیسے نام رکھ لیے ہیں یا ان کی پیروی کا دم بھرتے ہیں جیسے ملامتیہ، قلندریہ حیدریہ، بسطامیہ اور انھیں کی طرح کے لوگ، اس لیے کہ وہ یہ لقب اختیار کرنے اور ان سے نسبت رکھنے والوں کے مخالف ہیں۔ تمام

(۱) روض الازہر ص ۲۷۔ ۱۷۔ بحوالہ: وارف شرح عوارف

مشائخ طریقت اور اصحاب خرقه و اجازت سے کتاب و سنت کی پابندی کی تاکید هی نقل کی گئی هے جیسے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ، سید احمد رفاعیؒ، سیداحمدبدویؒ وغیرہ۔ یهاں تک که سید عبدالقادر جیلانیؒ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے که کتاب وسنت کی پابندی تم پر لازم هے. بچو اس بات سے که تم الله کے دین میں کوئی نئی بات پیدا کرلو یا اپنے بزرگوں کے طریقه کی مخالفت کرو[1]۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ جلد اول میں ایک بڑی اہم بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

''صوفیاء کرام میں حضرت جنید بغدادیؒ کی جماعت کا سلوک مقبول هے نهایت شرف والا. راہ حق کے وسط میں اور افراط وتفریط کے بغیر، ان کے سوا بهت سی جماعتیں هیں جن کی نسبت مالوفات حسیّه سے آمیزش پائے هوئے۔ اور ایسے بهت سے رنگ پیدا کیے هوئے هے جن کی حقیقت تک پهنچنا عارف کے لیے هر طرح دشوار هے[2]۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے صوفیہ کے کئی گروہوں کا ذکر فرمایا ہے انہیں میں نام نہاد قلندروں کا ذکر کرکے ان کی چند خصوصیات بھی بیان فرماتے ہیں:

"وجمعے دیگرهستند که افیون وبنگ وسائر

---

(۱) روض الازہر ص ۲۷ (۲) تفہیمات الٰہیہ ص ۱۵۲ جلد اول

مخدرات خورند واز شهوت فرج وغير آں دوراند
وتجريد تام دارندو آں جماعه مسمی به قلندران است" [1]

اور ایک دوسری جماعت ہے جو کہ افیون، بھنگ اور دوسری حواس کو گم کردینے والی چیزیں استعمال کرتے ہیں وہ شرمگاہ کی شہوت وغیرہ سے دور ہیں اور تجرید تام رکھتے ہیں اور یہ جماعت قلندروں کے نام سے موسوم ہے۔

یہ نام نہاد قلندر اصل میں ہیں کون؟ ان کے اکابر اصل میں کیا تھے۔ اس کی وضاحت شاہ صاحب نے اس طرح کی ہے:

"وايشاں خود رابسلسلهٔ قادريه يا سهرورديه نسبت كنند، رؤساء ايشاں ازيں طريقها تجريد واطفائے نائره شهوت وترک دنيا تلقی كردند وبه نسبت غيبه متلذذشدند."

یہ لوگ اپنے کو سہروردی یاقادری سلسلہ سے منسوب کرتے ہیں اوران کے اکابر نے تجرید، خواہش نفس کی آگ بجھانے اورترک دنیا کی تعلیم انہیں طریقوں(قادری یا سہروردی طریقوں) سے حاصل کی ہے اورفنائیت کی نسبت میں لطف ولذت پائی ہے۔

ظاہر ہے کہ قادری اور سہروردی سلسلہ بھی حضرت جنید بغدادی ہی کے واسطہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اس لیے یہ اکابر جو سہروردی اور قادری سلسلہ کے فیض یافتہ تھے اور تجرید اور فنائیت کی مختلف خصوصیات کے حامل رہے ان کے نام لیوا قلندروں کی وہ غلط روش کیا تھی؟ جس کی وجہ سے وہ

---

(۱) تفہیمات الٰہیہ ص ۱۵۵ جلد ا

اپنے اکابر کی راہ سے ہٹ گئے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خیال وگمان کے مطابق افراط وتفریط کا شکار ہو گئے۔ اس کی وضاحت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے:

"وچوں آنرا فقد کردند بنوم غریق یا افیون خلیفۂ آں جستند وفرق درمیان هردو برایشاں واضح نه شد."

اور جب یہ سب کچھ انھوں نے کھودیا (یعنی اپنے اکابر کی خصوصیات، تجرید اور فنائیت وغیرہ) تو استغراق یا فیون وغیرہ کے ذریعہ ان کا بدل تلاش کیا اور ان دونوں کے درمیان حقیقی فرق ان پر واضح نہ ہوا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"واستعداد دعة وترک اشغال آں گماں را دوبالا ساخت."

بے راہ روی اور ترک اشغال نے اُس خیال وگمان کو (کہ یہ افراط وتفریط اور بے اعتدالی میں مبتلا ہوچکے ہیں اور جس کا وہ پہلے تذکرہ کرچکے ہیں) مزید پختہ کردیا۔

اور اس کے بعد شاہ صاحب نے بے ساختہ یہ شعر بھی لکھدیا ہے:

زبنگ ہیچت گرینست ایں نہ بس کہ ترا
دمے زوسوسۂ عقل بے خبردارد [1]

مطلب یہ ہے کہ بھنگ سے تجھ کو اس سے زیادہ کیا حاصل کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے ہوش کم کردے اور احساس عقل جاتا رہے۔

---

(۱) تفہیمات الٰہیہ جلد ا ص ۵۲۔۱۵۵

بہرحال فنائیت اوراستغراق ہو یا عشق الٰہی میں سکر و بے خودی، اگر وہ فکر آخرت اورذکر الٰہی کے نتیجہ میں پیدا ہوگئی ہےتو محمود اور قابل ستائش ہے اور خدائی قانون اورانسانی ضوابط کی رو سے ایسا شخص معذور قراردیاجائے گا۔لیکن یہ سکر روحانی نہ ہو مادی ہو،نشہ آورچیزوں کے استعمال سے پیدا ہوا ہوتو قرآن وسنت اور بزرگان دین کی نظرمیں یہ قابل تعزیر جرم ہوگااورایسی روحانیت سے تصوف اورروحانیت کے دوکانداروں اورنام نہاد قلندروں کو جوبھی کیف آئے وہ آزادروی اورخالص گمراہی کی ایک قسم ہے۔ خدااورخدا کے رسول ﷺ کی پاک شریعت میں یہ آزادروی، جزا کی نہیں بلکہ سزا کی مستحق ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قلندری بزرگوں کے نزدیک:

"جامع بین الحدیث والفقہ والتصوف اندا"[1]۔

حدیث و فقہ وتصوف کے جامع ہیں۔

ان سے قلندری بزرگوں نے جگہ جگہ رہنمائی لی ہے وہ مشکوۃ شریف کی شرح فارسی ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں:

" وحلق کردن لحیه حرام است وروش افرنج وهنود و جوالقیان است که ایشان را قلندریه گویند."[2]

اورمنڈانا داڑھی کا حرام ہے اور یہ انگریزوں مشرکوں اورجوالقیان کی وضع ہے وہ جنہیں لوگ قلندریہ کہتے ہیں۔

گویا اصل قلندر بزرگوں کا طورطریق یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان بے راہ

---

(۱) روض الازہر ص ۳۹۱ (۲) اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۲۱۲

رولوگوں کا طریقہ ہے جن کو عوام قلندر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ قلندر نہیں بلکہ جوالقیان یعنی بے راہ رو قسم کے لوگ ہیں۔ اس معاملہ میں قلندری بزرگوں سے متعلق گفتگو "قلندری ہیئت" کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔ یہاں اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ:

انچه از بعضے اکابر صدور بعضے از افعال که مخالف ظاہرِ شریعت اند منقول است، طریق اسلم دراں بعد تسلیمِ صحتِ نقل، عدم انکار، ونفی تجویز اقتدااست، وحمل برغلبۂ حال و استیلاء سکر است[1]۔

بعض اکابر سے ظاہر شریعت کے خلاف جو بعض افعال منقول ہیں ان کی صحت نقل کوتسلیم کرلینے کے بعد، ان کے بارہ میں اسلم (زیادہ محفوظ اور بہتر) طریقہ یہ ہے کہ ان پر نکیرنہ کی جائے لیکن ان کی اقتداء بھی جائز نہیں۔ ان کو غلبۂ حال اور استیلاء سکر پر محمول کیاجائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصنیف مرج البحرین میں لکھتے ہیں کہ:

واجد و صاحب حال چوں و جد و حال او بجائے رسد که زمام اختیار از دست رود و مالک نفس نماند معذور است و حکم مجنوں دارد....بر تقدیر یکه وجد و حالِ وے محقق و صحیح بود واز شائبه تکلیف و اختیار معرا، انچه از وے دراں حالت

---

(۱) روض الازہر ص ۴۰۲

فوت شد استدراک فائت لازم گردد ..... باوجودعذر و رفع مؤاخذه اقتدا بداں فعل جائز نباشد ... تو اجد نوری نزد سیّاف و وقوف ابو حمزہ در چاہ وحالِ شبلی در حلق لحیہ و امثال آں از ظو اہر اعمال کہ بغلبۂ وجد وحال چنانچہ از عنوان آں حکایات لائح است صدور یافتہ[1]

کسی کا وجد وحال اگر ایسا ہو کہ وہ بے اختیار ہو جائے اور اپنے اوپر اسے قابو باقی نہ رہے تو وہ معذور ہے اور مجنو ن کے حکم میں ہے - بشرطیکہ اس کا وجد وحال واقعی اور درست ہو- احساس ذمہ داری اور اختیار کی سرحد سے وہ باہر جا چکا ہو - اس حالت میں اس سے جو فرض چھوٹ جائے گا اس کی تلافی اس کے ذمہ لازم ہو گی - البتہ اس حال میں اس کی گرفت نہ ہو نے اور اس کے معذور ہو نے کے باوجود اس فعل میں اس کی نقل اور پیروی جائز نہیں ہو گی- سیاف کے یہاں نوری کا وجد میں آنا ، ابو حمزہ کا چاہ (کنویں) میں رکنا ، حلق لحیہ کے بارہ میں شبلی کا حال اور ایسے دوسرے ظاہری اعمال جو ان حکایات سے معلوم ہوتے ہیں اسی نوعیت کے وجد و حال

---

(۱) روض الازہر ص ۲۰۲ بحوالہ مرج البحرین

کے غلبہ سے صادر ہونے والے حالات ہیں -

سید جمال مجرد ساوجیؒ کے بارہ میں جو قلندری طریق کے نہیں بلکہ دوسرے سلسلہ کے ہیں حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے ایک عجیب حکایت نقل کی ہے۔ قلندر کا ذکر چھڑا ہے تو سید جمال الدین مجرد کی داڑھی کی بھی کچھ بات ہو جائے، وہ فرماتے ہیں:

مفتی شیخ جمال ساؤجی کو وفور علم سے کتا بخانہ ٔ رواں کہتے تھے . جس کسی کو فتوی مشکل ہو تا ان کے پاس آتا وہ کتاب دیکھے بغیر جواب دیتے ... ایک بزرگ تھے ان کی مجلس میں چند آہن پوش آئے... جب یہ لوگ ان بزرگ کی مجلس سے واپس ہوئے تو ان بزرگ نے فرمایا: یہ کیا آزاد لوگ ھیں .. شیخ جمال اس مجلس میں حاضر تھے ... کیسا خوش وقت تھا کہ ان کی زبان سے یہ بات نکلی وہ کھڑے ہو گئے ، کھڑے ہوتے ھی ایک حال پیدا ہوا کہ مجرد ازھمہ ہو گئے یہاں تک کہ داڑھی کا بھی بوجھ معلوم ہوا .اس کو کترو ا کر بوریا اوڑھ لیا اور ایک قبر میں داخل ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرکے انکھیں آسمان کی طرف کھول کر بیٹھ گئے . کسی نے ان سے کہا:

مولانا جمال الدین ساؤ جی کو یہ حال پیدا ہوا ھے کہ داڑھی کتروا کر قبر میں بیٹھ گئے ھیں، وہ بزرگ یہ سن کر اپنی جمعیت کے ساتھ وھاں آئے اِن کو دیکھا کہ قبر میں منہ پھیلائے آنکھیں آسمان کی طرف کئے ہوئے مبہوت ھیں ۔ فرمایا تھوڑا سیسہ گلا کر حلق میں ڈالیں ، سبحان اللہ !! گویا سردپانی تھا اس کے بعد علماء ان سے بحث کرنے آئے اس وقت شیخ جمال الدین ساؤجی کچھ ہوش میں تھے ، علماء نے کہا: تم نے خلاف شرع کیا ھے داڑھی تراشی ھے ۔ انھوں نے فرمایا : تم داڑھی چاھتے ھو؟ یہ کھکر خرقہ میں سر جھکایا اور پھر باھر نکالا اور سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس قدر سفید ریش دیکھی بھی ھے؟ اس کے بعد لوگ واپس ھو گئے [1]۔

جن بزرگوں کے چہرے داڑھی سے خالی تھے وہ جذب وسکر کی بے اختیارانہ کیفیت تھی یا خدا کا اپنے کچھ بندوں کے ساتھ کوئی خاص معاملہ ؟ مذکورہ بالا تحریر اسی راز پر سے پردہ اٹھارہی ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ مذکورہ بالا ملفوظ حضرت چراغ دہلویؒ کا فرمودہ ہے اور شیخ عبدالحق دہلوی جیسے محدث،

(۱) اخبار الاخیار۔ اردو ترجمہ ص ۱۴۲۔ ذکر حمید شاعر قلندر۔ بحوالہ خیر المجالس ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی مرتبہ حمید شاعر قلندر

فقیہ اور بزرگ نے اپنی تصنیف۔ اخبار الاخیار میں اس کو نقل فرمایا ہے۔

اس حال یا ان جیسے احوال کے بزرگوں کا عرفان ویسے بھی اہل معرفت کے لیے کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ البتہ دکاندار صوفی اور قلندر جو صوفی کا لباس زیب تن کر کے دین وایمان کی غارت گری کا شیوہ اختیار کئے رہتے ہیں۔ شریعت کا انھیں کوئی پاس ولحاظ نہیں رہتا اور ''حال ووجد'' کے جلوے دکھاتے پھرتے ہیں۔ ان کے بارہ میں اکابر صوفیائے کرام اور قلندری بزرگوں کے خیالات اور ان کی تصریحات گزر چکیں۔ خود قلندری بزرگوں کا اصل ذہن اور ذوق کیا تھا ان کو مزید سمجھنے کے لیے ''ملفوظات قلندریہ'' کا مطالعہ کیجیے جس کو آئندہ باب میں پیش کیا جارہا ہے۔

باب دوم

ملفوظات قلندریہ

ملفوظات قلندریہ

قلندری بزرگوں کے مقام و منصب اور ان کے خیالات کو جاننے کے لیے ان کے ملفوظات سے بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ ملفوظات ان کی مجلسی گفتگو کا وہ ریکارڈ ہے جو ان کی کتابوں میں جابجا محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح قلندری بزرگوں کی تصنیفات میں بھی ان ''بنیادی مسائل'' پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے جن کے ٹھیک طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور ذوقیات کو ''عقیدہ'' سمجھ کر جزو دین قرار دینے کی جسارت کی گئی ہے۔ یہ ملفوظات، اصل دین اور زوائد علوم میں فرق کو بھی واضح کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ سالک کو معرفت الٰہی کے حصول کے لیے کن چیزوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور مقامات سلوک میں کون سی باتیں غیر اہم ہیں جن سے ہر لمحہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ جن بلند مرتبہ قلندری بزرگوں کے ملفوظات ہم نے یکجا کر دیئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے آخر میں ان کے اسماء گرامی کے ساتھ ان کتابوں کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں جن سے یہ قیمتی ملفوظات اخذ کئے گئے ہیں تاکہ استناد قائم رہے اور مزید مطالعہ و استفادہ مطلوب ہو تو اس میں بھی کوئی دشواری نہ ہو۔
قلندری بزرگوں کے ملفوظات کے نقل کرنے میں ہم نے تاریخی ترتیب کا

زیادہ لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے ان کی ترتیب قائم کی ہے۔اس سے امید ہے کہ قلندری بزرگوں اور خود قلندری سلسلہ کے تعارف میں مدد ملے گی اور ان کے خیالات سے استفادہ بھی ممکن ہو جائے گا۔

اسلامی عقیدہ اور علوم زائدہ میں فرق:

صوفیائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی چیز جو سالک پر ضروری ہے وہ صحابۂ کرام، تابعین اور سلف صالحین کے طرز پر عقائد کی تصحیح ہے، مزید برآں ارکانِ اسلام کی ادائیگی، کبیرہ گناہوں سے احتراز، ظلم کا قلع قمع اور ان تمام چیزوں کی پابندی جن کو شریعت میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ اسلام اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ ایمان نہ ہو۔اسی طرح اسلام اور ایمان دونوں کا ثمرہ احسان ہے لہٰذا ایمان کا حصول جس سے مراد عقائد کی تصحیح ہے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ جن عقائد کی آنحضرت ﷺ نے دعوت دی ہے، جن کا ہم کو مکلّف بنایا ہے اور جن کا قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ میں ذکر ہے ان تمام عقائد کو ماننا اور ان کو تسلیم کرنا ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اُسی مقدار کو پورے طور پر تسلیم کرنا ایمان کے لیے کافی ہے۔

چنانچہ عقائد نسفی کی تشریحات میں جو اضافے کیے گئے ہیں ان کے بارہ میں یہ جان لینا چاہئے کہ شارع نے ان کا مکلف نہیں بنایا ہے اور چونکہ ایمان شرعی کے لیے ان کا اعتبار نہیں ان کا اعتقاد و یقین بھی ضروری نہیں ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ ہے کہ لله الأسماء الحسنىٰ (اور اللہ کے لیے اچھے اسماء و صفات ہیں) پس اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء و صفات کا ایسا اعتقاد کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال و آثار کا سرچشمہ ہیں ایمان کے لیے لازم اور ضروری ہے لیکن یہ بحث کہ یہ اسماء و صفات عین ہیں یا غیر، یا یہ کہ یہ نہ عین ہیں نہ غیر ذات، اس بحث کی

ایمان شرعی کے لیے کوئی ضرورت نہیں۔ صحابہ و تابعین کے دورِ سعادت میں اس طرح کی بحث و تحقیق کی کسی نے بھی فکر و جستجو نہیں کی۔ پس اس موقع کی جن بحثوں کا صوفی، متکلم یا حکیم نے تذکرہ کیا ہے وہ علوم زائدہ ہیں، ایمان شرعی کے لیے ان پر اعتقاد ضروری نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ کمال نوعی کا تعلق ان عقائد سے ہے جن کی آں حضرت ﷺ نے دعوت دی ہے۔ اصول عقائد میں صاحب شریعت کے علاوہ کسی کی بھی تقلید مستحسن نہیں کیونکہ نبی معصوم مفترض الطاعت کے علاوہ کسی اور کی تقلید ان میں جائز نہیں ہے لہٰذا اجمالی طور پر ان تفصیلات پر عقیدہ رکھنا جو کتاب و سنت میں مذکور اور منحصر ہیں یہی بہتر ہے، حقائق کے دریا میں غواصی خطرناک ہے۔ لیکن جن لوگوں میں لطیفۂ عقل قوی و غالب ہوتا ہے وہ علوم میں غوطہ زنی کی طرف مائل ہوتے ہیں خواہ کامیاب رہیں یا ہلاک ہوں۔ ان لوگوں کے لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جو اجمالی عقائد ذکر کیے گئے ہیں ان پر ثابت قدم رہیں اور صوفی یا متکلم یا حکیم جو کچھ کہتے ہیں اسے علوم زائدہ میں شمار کریں۔ پھر اگر علم میں پختگی کے بعد کسی نتیجہ تک پہنچیں تو ٹھیک ہے ورنہ جہل مرکب اور حیرت مذموم سے ان اجمالی عقائد پر ثابت قدم رہنے کی بنا پر محفوظ رہیں گے۔

بڑی مصیبت یہ ہے کہ مختلف علوم سے اختلاط و تعلق ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ ضروری شرعی عقائد اور علوم زائدہ میں امتیاز نہیں کر پاتے۔ (شاہ تقی علی قلندرؒ۔ روض الازھر ص ۹۸ .... ۲۹۷)

شیخ کی صفات:

"شیخ" (پیر طریقت) کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا سلسلہ

درست ہو۔ سچے مرید کو صحیح سلسلہ کی جستجو کرنی چاہئے اس لیے کہ پیری کا سلسلہ اکثر جگہوں میں خلط ملط ہو گیا اور بگڑ گیا ہے۔ اس بگاڑ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کوئی درویش اپنے بیٹے کو اس کی غفلت یا کسی اور وجہ سے اپنی زندگی میں خلافت نہ دے اور لوگوں کو یہ وصیت بھی نہ کرے کہ میرے بعد میرے بیٹے کو میرا خرقہ پہنا دیا جائے اور میری جگہ وہ نامزد ہو لیکن اس کے باوجود لوگ باپ کا خرقہ بیٹے کو پہنا دیں۔ اور باپ کی جگہ بیٹے کو نامزد کر دیں اور انہیں اس کارروائی کی صحت اور عدم صحت سے کوئی واقفیت نہ ہو اور خلق خدا اس فرزند کی بیعت میں گرفتار ہو جائے اور وہ باپ سے اجازت اور خلافت کے بغیر پیر بن جائے۔ یہ خالص گمراہی ہے خرقۂ پدر متروکہ مال ہونے کی وجہ سے بیٹے کی ملکیت میں تو آ گیا لیکن بیعت کے صحیح ہونے کے لیے خرقۂ پدر کافی نہیں ہے بلکہ خلافت اور اجازت خرقہ بھی حاصل ہونا چاہئے۔

بگاڑ کی دوسری شکل یہ ہے کہ اسلاف جو کہ غوث اور قطب ہوئے ہیں ان کی اولاد اجازت و رخصت اور صحتِ نسبت کے بغیر محض صاحبزادگی کے رشتہ کی وجہ سے مخلوق خدا کو مرید کرے اور خلق خدا یہ سمجھے کہ ہمارا تعلق فلاں قطب اور فلاں غوث کے خانوادہ سے ہو گیا ہے یہ سراسر گمراہ کن خیال ہے۔

شیخ اور پیر کے درست ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم دین ہو اور فرائض و واجبات، سنن و نوافل اور مستحبات کے قسم کی جملہ عبادتوں پر عامل ہو، ان احکام کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی نہ کرتا ہو۔ جیسے یہ کہ ہر وضو کے موقع پر مسواک کرے اور داڑھی رکھے کہ یہ دونوں مسنون ہیں۔ پنج وقتہ نمازیں آذان اور اقامت کی پابندی کے ساتھ باجماعت ادا کرے، ارکان کی ادائیگی میں آداب کا لحاظ رکھے اور ان تمام چیزوں میں

بھی جن کا دین سے تعلق ہو ایسا ہی کرے۔ عبادات کی قسموں کا عالم اور جان کار نہ ہو گا تو ان پر عمل بھی نہیں کر سکتا اور وہ شریعت کے حدود کو چھوڑ بیٹھے گا، تو ایسے شخص کو پیری نہ کرنا چاہئے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جو حقیقت کو نہ پاسکا وہ طریقت کو پالے گا اور جو طریقت کو نہ پاسکا وہ شریعت کو تو اختیار کیے ہی رہے گا۔ لیکن جو شریعت کو چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہو جائے گا اور مردِ گمراہ کو پیر نہیں بنانا چاہیئے۔

جو درویش (یعنی پیر اور شیخ) مرجعِ خلائق ہو اس طرح کہ مخلوق کی بڑی تعداد توبہ اور بیعت کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو، اس پر لازم ہے کہ شریعت کی جزئیات میں بھی وہ احتیاط کرے۔ شریعت کی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی اس سے نہ چھوٹے اس لیے کہ یہ بات مریدوں کی گمراہی کا سبب بنے گی اور وہ یہ دلیل پیش کریں گے کہ ہمارے پیر نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس طرح وہ پیر گمراہ بھی ہوا اور گمراہ کن بھی۔

پیر اور شیخ کے درست ہونے کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقائد درست ہوں، وہ اہل سنت والجماعت کے مطابق ہو اور غیر متعصب سنی ہو۔ مذکورہ بالا شرطوں کے مطابق مرید کو اگر کوئی شیخ اور پیر مل جائے تو اس سے مرید ہو جانا جائز اور بہتر ہے۔ اور اگر ان تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی شیخ میں نہ پائے تو اس سے بیعت کرنا ناجائز ہے اور اگر کوئی نادانی کی وجہ سے ایسے پیر سے بیعت کر لے تب بھی وہ اس بیعت کو ختم کر دے۔ یہ شرائط میر عبدالواحدؒ خلیفہ شاہ صفیؒ نے سبع سنابل میں درج کی ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں شرطوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت شاہ تقی علی قلندرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''شیخ'' کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ وہ عقائد، فقہ، حدیث، تفسیر اور امور طریقت سے متعلق ضروری علم رکھتا ہو۔ اپنے سلسلہ کے ذکر و فکرو اشغال کی تعلیم کسی بزرگ ہی سے حاصل کی ہو اور حسب استعداد ان پر عامل ہو۔ کبیرہ گناہوں سے بچے، صغیرہ گناہوں پر نہ جمے، رہائش گاہ، لباس، خورد و نوش اور دوسری دنیاوی ضرورتوں میں تھوڑی مقدار پر قناعت کرے ان میں حرص و انہماک نہ ہو۔ آخرت کی طرف دھیان ہو، مسنون اذکار، مؤکدہ طاعتوں، اشراق، چاشت، اوابین، تہجد جیسے نوافل اور حضرات مشائخ کے معمولات کا پابند ہو، مروت، سخاوت، بردباری اور کامل دانائی اور عقل رکھتا ہو۔ رائے کا نادرست نہ ہو، طریقت میں ایسے شیخ سے مجاز ہو جس کا سلسلہ پیغمبر ﷺ تک پہنچتا ہو۔ خزانۂ جلالی میں مذکور ہے کہ علامات قیامت میں سے ایک یہ ہے کہ ''علماء فاسق ہوں گے اور صوفیہ جاہل'' اللہ اس بات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اے عزیز! یہ وہی دور ہے کہ آنکھوں سے ایسے صوفیہ نظر آرہے ہیں جنہوں نے علم اور تربیت حاصل کیے بغیر نئے نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اور صوفیہ سے ذکر کے جو طریقے منقول ہیں ان کو چھوڑ کر اور مخلوقِ خدا کو اپنا معتقد بنانے کے لیے وہ نئی نئی باتیں کرتے ہیں، عوام اور طالبین کو حیرت میں ڈالتے اور راہ راست سے دور کرتے ہیں۔ کتنی بڑی ہے یہ گمراہی اور کتنی زبردست ہے یہ بے راہ روی!!۔

(شاہ تقی علی قلندرؒ۔ روض الازھر ص ۱۳۱۔۱۳۰)

کرشمہ یا عرفان:

شاہ ابو محمد قلندر کی ایک روز کسی راہب سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ مجھ کو ہوا میں اڑنے کی قدرت حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قدرت تو

چیل اور کوے کو بھی ہے، یہ کون سی عمدہ بات ہے۔ طالب عرفان واسرار ہونا چاہئے۔ یہ سن کر اس کے دل میں درد طلب پیدا ہوا اور وہ مسلمان ہو کر آپ کے شیخ شاہ فتح قلندر سے جو آپ کے ہمراہ تھے مرید ہو گیا۔ (اتحاف ص ۲۶۴)

اغنیاء سے دوری:

شاہ باسط علی قلندر فرماتے تھے:

درویش کے لیے اغنیاء وامراء کے گھروں پر جانا جائز نہیں اور امراء کو درویشوں کے پاس آنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میرے والد شاہ محمد ماہ قلندر فرمایا کرتے تھے کہ امراء وملوک کی صحبت و درباداری، درویشوں کے لیے جائز نہیں البتہ وہ فقیر کہ جو میرا جیسا ہو کہ ایک عصائے محمدیؐ ومرتضویؓ اپنے پاس رکھے کہ جب کوئی سرتابی کرے تو وہیں پر ایک عصا رسید کر کے اس کو سرنگوں کر دے۔ (اتحاف ص ۲۹۶)

نفس کی طرف سے چوکنا رہے:

نفس سے چوکنارہ کر اپنی حفاظت کرنا چاہئے۔ اس کتے کی چال اور خیال سے مطمئن نہ رہے۔ اس لیے کہ اس کتے نے ہزاروں سالکانِ راہ کو بے راہ کیا اور ہلاک کر ڈالا ہے جو کوئی اس کتے کو بھوک کی سزا دے اور ریاضت اور مجاہدہ کی زنجیر سے جس میں ریا کی ملاوٹ نہ ہو اس کو باندھ دے تو وہ اپنے وقت کا بایزیدؒ اور اپنے زمانہ کا شبلیؒ کہلائے اور حق سے وصل کی دولت پا جائے۔ (ملفوظ شاہ مجا قلندر۔ فیوض العارفین ص ۴)

وسوسہ کی حقیقت:

طالب کو کبھی یادالٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہئے، اصل الاصول یہی ہے اگر خطرات (دوسرے خیالات) بھی آئیں تو آنے دے کچھ پرواہ نہ

کرے۔ میں (شاہ علی انور) نے ایک روز بڑے دادا (شاہ حیدر علی قلندر) کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ خطرات وخیالات بہت پریشان کرتے ہیں۔ انھوں نے ہنس کر فرمایا کہ دل خدا کا گھر ہے تمہارا گھر نہیں اس میں اچھے برے سبھی آتے ہیں تو آنے دو۔ تم کو اس سے کیا مطلب؟ تمہارا صرف یہی کام ہے کہ اس کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھو۔ اگر پھر کوڑا اڑ کر آگرے تو تمہارا اس میں کیا اختیار؟ تم کو تو یہی چاہئے کہ جاروبِ ذکر لیے ہوئے اس کو صاف کرتے رہو۔ (ملفوظ شاہ علی انور قلندر۔ اتحاف ص ۶۲۸)

خود بینی:

ایک بزرگ گھوڑے پر سوار چلے جارہے تھے، ایک نالہ میں پانی تھا اس کو دیکھ کر گھوڑا رک گیا اور کسی طرح نہ چلا۔ تب ان بزرگ نے فرمایا کہ پانی پر تھوڑی خاک ڈلدو۔ جب خاک ڈالی گئی تو گھوڑے کا بھڑکنا بند ہوا۔ گھوڑا اپنا عکس دیکھ کر بھڑکتا تھا یعنی اپنی صورت سے آپ بھڑکتا تھا۔ جب خود بینی مٹی تو بھڑک جاتی رہی۔ (ایضاً ص ۶۲۸)

حقوق العباد:

ہمیشہ اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ حقوق العباد میں سے کوئی حق فوت نہ ہونے پائے جہاں تک ہو سکے اس کے ادا کرنے میں عجلت کرے اور کسی وقت کا انتظار نہ کرے کہ الوقت سیف قاطع۔ (ایضاً ص ۶۲۷)

سُکر و مستی:

سکر و مستی کے اوقات میں اکثر بزرگوں سے آداب کی رعایت فوت ہوئی ہے جیسا کہ مولانا روم سے منقول ہے کہ:

در چنیں مستی مراعاتِ ادب
می نباشد ور بود باشد عجب

(ایسی مستی میں مراعاتِ ادب نہیں ہوتی ہے اور رعایت ہو جائے تو یہ ایک حیرت انگیز بات ہو گی)۔

لیکن بندۂ ضعیف میں ایسی حالت میں حضرت حق کا تصرف جاری رہتا ہے اور بندہ اپنے احساس و شعور سے بالکل ہی گیا گزرا ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں

چو طفلے کز آتش ندارد خبر
نگہدار دش مادر مہرور

(جیسے ایک بچہ کہ اسے آگ سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی تو اس کی مہرباں ماں اس کا دھیان رکھتی ہے)۔ بندۂ ضعیف کی یہ نگرانی و حفاظت عطائے ربانی اور کرم الٰہی ہے جس کا شکریہ ادا کرنا تقریر و تحریر کے بس میں نہیں ہے۔ شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا (بادشاہوں کی طرف سے اگر کسی گدا و فقیر کو نواز دیا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟)

(ملفوظ قاضی محمد تقی قلندر مہونوی م ۱۱۷۶ھ فیوض العارفین ص ۲۷)

قاضی محمد تقی قلندر کے شیخ قاضی مینا قلندر مہونوی (م ۱۱۲۹ھ مہونہ لکھنؤ) فرماتے ہیں کہ:

استغراق کے باوجود راہِ شریعت فوت نہ ہونی چاہئے اور اس راہ کے تمام راہ رو اس بات سے غافل نہ رہیں کہ مرتبۂ حقیقت میں راہ شریعت نہ چھوٹنی چاہئے (فیوض العارفین ص ۲۷)

خلافت پانے کے لیے بنیادی شرط:

خرقۂ خلافت اسی کے لیے زیبا ہے جو خواہش نفس کی گرفت سے

آزاد ہو جائے، تمام علائق سے دور ہو، کسی سے اپنی حاجت وابستہ نہ کرے۔ تجرید نفس اور تفرید حق حاصل کر لے اور اس کے خیال میں خلق کی تعریف اور مذمت یکساں ہو جائے۔

(شاہ محمد آفاق مہونوی خلیفہ شاہ مینا قلندر، فیوض العارفین ص ۳۸)

عاشق عارف اور عاشق ہالک:

شاہ محمد آفاق نے اپنے صاحبزادہ شاہ محمد در گاہی کے نام ایک خط میں عاشق کی دو قسمیں کی ہیں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جانِ من! دریا نوش ہونا چاہئے نہ کہ بیک قطرہ مدہوش۔ جو عاشق دریا نوش ہے وہ عارف ہے اور جو ایک ہی قطرہ پی کر بے ہوش ہو جائے وہ عاشق ہالک ہے (یعنی ہلاکت کی طرف جاتا ہے) جو عاشق عارف ہے وہ تو اشارہ کا تابع ہے اور عاشق ہالک بربادی کی سمت جانے والا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دریا نوش تھے کہ ہر چند اسرار معرفت آپ کے جامِ دل میں ڈالے گئے مگر وہ پُر نہ ہوا۔ ہر روز ھل من مزید فرماتے۔ کاسۂ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ تنگ تھا کہ ایک ہی قطرہ سے پر ہو گیا اور ''انا الحق'' فرما گئے۔ پس خلق و خالق میں امتیاز شرط ہے۔

جانِ من! ہفتہ اور مہینہ میں اکثر بے خودی کا جوش ابلتا ہے اور صحرائے رسوائی کی طرف رہ نوردی کی خواہش کرتا ہے لیکن حضرت رسالت مآب ﷺ کی پشت پناہی اور حیائے شریعت کے طفیل صحرا کو رخ کرنے کی ہمت نہیں۔ آنحضرت رسالت پناہ ﷺ خواص اور عوام کے لیے مسیحا ہیں۔ اگر کبھی کسی موقع پر بے اختیاری رونمائی کرے تو تسبیح و تلاوتِ قرآن پاک اور نفل نمازوں میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ اشغالِ باطنی میں ہر گز نہ لگے

اور صحرا یا دریا کی طرف سیر کو تنہا نہ نکلے۔ دوستوں کے درمیان داستانِ دردِ دل کے تذکرہ میں مصروف ہو جائے اور ہر گز خاموش نہ بیٹھے۔ ہر دن جیو خانصاحب کی خدمت میں جائے اور دل میں جو خیالات یا شبہات آئیں خانصاحب سے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں اور انھیں سے پوچھ لیں۔ وہاں جب تک رہیں شب بیداری نہ کریں اور ذکر دَم جو ہم نے لکھا ہے اس میں بھی مشغول نہ ہوں۔ (فیوض العارفین ص ۳۵)

شیخ احمد عبدالحق ردولوی (م ۸۳۸ھ) جو حضرت مخدوم ردولوی کے نام سے جانے جاتے ہیں وہ قلندری مشائخ کے نزدیک قلندر مشرب تھے[1]، دوسری طرف وہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مجدد قرار دئے جاتے ہیں اور اس سلسلہ کو سب سے زیادہ فروغ آپ ہی کے ذریعہ ہوا ہے۔ ان کو حضرت جلال الدین کبیر الاولیاءؒ (م ۷۶۵ پانی پت) نے خلافت دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ''بابا عبد الحق! حیات و ممات میں مجھ کو تمہارے کمالات کی انتہا نظر نہیں آتی[2]۔

سلسلۂ چشتیہ میں خواجہ ابو محمد چشتی (م ۴۱۱ھ چشت) اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) کے بعد: ''دائرۂ وجود مطلق'' اور ''نقطۂ ذات حقیقت الحق'' کے مشاہدہ کا جو ''دوامی استغراق و تحیر'' مخدوم عبد الحق کو حاصل تھا اس سے زیادہ کسی ولی کو میسر نہیں ہوا[3]۔

شاہ محمد آفاق قلندر کا جو ملفوظ نقل کیا گیا، تقریباً وہی بات منصور حلاج کے بارہ میں مخدوم عبدالحق ردولوی نے بھی ارشاد فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

> ''منصور بچہ تھا. قوت برداشت نہیں تھی. اس لیے اسرار ظاہر کر دئیے. بعض بند گانِ خدا ایسے بھی ھیں جو دریا کے دریا چڑھا جاتے ھیں اور ڈکار تک نہیں لیتے''[4]

---

(۱) اتحاف الاخیار ص ۴۱ (۲) بزم صوفیہ ص ۴۲۰ بحوالہ مرأۃ الاسرار قلمی (۳) ایضاً ص ۴۲۱ (۴) بزم صوفیہ ص ۴۲۰ بحوالہ انوار العیون ص ۲۷

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) جن کا حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی بھی ادب کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں:

"جس وقت اولیاء شوق کے غلبوں میں ہوتے ہیں اس وقت عالمِ سُکر میں کچھ کہہ دیتے ہیں لیکن جو کامل ہیں وہ کبھی کوئی بات منہ سے باہر نہیں نکالتے. مرداں ہزار دریا خوردند وتشنہ رفتند (جو مرد ہیں وہ ہزار دریا نوش کر جاتے ہیں اور پھر بھی تشنہ کام رہتے ہیں) اسرار کے ضبط کے لیے بڑا حوصلہ چاہئے. ایسے لوگوں کو اصحاب صحو کہتے ہیں (اصحابِ سُکر سے) اصحاب صحو کا مرتبہ زیادہ ہے"[1]۔

شرع محمدی کی راہ میں:

شیخ بو علی قلندر پانی پتی (م ۱۳ر رمضان ۷۲۴ھ) سُکر و مستی کی حالت میں رہتے تھے۔ ایک بار ان کی مونچھیں شرعی حدود سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ کسی کو تراشنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیاء الدین منامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ انھوں نے شیخ کی ریش مبارک پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بو علی قلندر اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے:

"یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع

---

(۱) فوائد الفؤاد جلد ۱ ص ۲۷

محمدی کی راہ میں پکڑی گئی (بزم صوفیہ ص ۲۷۹ بحوالہ اخبارالاخیار ص ۱۲۱ و خزنیۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۶)

مرید کو نصیحت:

حضرت سید خضر رومی (م ۷۵۰ھ دہلی) کے خلیفہ شیخ نجم الدین قلندر دہلوی (م ۷۸۳ھ مانڈو) کسی کو مرید کرتے تو یہ نصیحت فرماتے: کسی حال میں خدا کی نافرمانی نہ کرنا اور حرام و حلال پہچاننا اور نماز پنجگانہ اور جمعہ جماعت سے ادا کرنا۔ اگر جماعت نہ ملے تو تنہا پڑھنا۔ کسی حال میں نماز نہ چھوڑنا۔ اور علاوہ ماہ رمضان کے ایام بیض کے روزے رکھنا۔ ہر وضوء کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضوء کی بھی تاکید فرماتے تھے۔ (اتحاف ص ۷۳)

تصوف کی حقیقت:

یہ بھی فرماتے تھے کہ:

" التصوف ترک کل حظِ النفس "

تمام حظوظ نفسانی کے ترک کو تصوف کہتے ہیں

یہ بھی فرماتے کہ: اصل دریں راہ ذکر است

اس راہ میں اصل چیز یاد الٰہی ہے !

ایک بار یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ اس سے مراد عشق ہے:

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ملفوظ شاہ نجم الدین اتحاف ص ۷۰)

دست بکار و دل بیار:

طالب کو "دل بیار و دست بکار" (دل یار کے ساتھ اور ہاتھ دنیا کے کاموں میں) ہونا چاہئے۔ اس مقولہ کا مطلب یہ سمجھے کہ انسان کے تعلقات میں گرفتاری اس کی نیت و خیال کے مطابق ہو گی۔ کچھ لوگ ان تعلقات کو اپنے نمود و وقعت کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ اپنے کو مجبور جانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ان میں آلودہ رہنا لازمی ہے، کیا کریں معذور ہیں۔ یہ لوگ فریب خوردہ ہیں دھوکہ میں ہیں۔ کچھ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مزدور ہیں جس قدر کام دن میں کریں گے اسی قدر شام کو اس کی مزدوری پائیں گے، کھاپی کر سوئیں گے آرام پائیں گے۔ یہ لوگ خودی پرور ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ ان تعلقات کو ان کی جگہ پر رکھنا چاہئے مگر ان میں انہماک نہ ہونا چاہئے۔ انہماک تو اسی میں بہتر ہے جس کام (یادِ الٰہی) میں وہ ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرے ایسے لوگ فہیم اور عمدہ ہیں۔

اور عارف وہ ہے جو یہ جانے کہ یہ تعلقات حسن ازل کی شور شیں ہیں۔ ہم کو ان سے اسی قدر تعلق زیبا ہے جتنا کہ عاشق کو اپنے معشوق کے ناز و ادا کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ لطف و لذت پاتا ہے مگر باوجود اس کے جس کا عاشق ہوتا ہے اسی کا طالب رہتا ہے۔ وہ ان تعلقات و حرکات کو معشوق کی طرف سے تو جانتا ہے مگر ان کو معشوق نہیں سمجھتا۔ کیوں کہ معشوق تو وہ ہے جو ان سب کا موجد اور خالق ہے خود ذاتِ قدسی اور ہے۔ ایسی فہم کو عدلِ حقیقی کہتے ہیں اور یہی انداز نظر درست ہے، اور سب خطرات و خیالات اس سے کم تر اور فروتر ہیں جن کو اس فہم تک رسائی نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو وہ اسی اصل کا پرتو ہیں ان میں اور اس خیال میں اتنا ہی

فرق ہے جتنا کہ دل پر وارد ہونے والے خیالات اور وساوس کے مقابلہ میں وہ خیال جس کو دل کا اصل خیال کہہ سکتے ہیں۔ (ملفوظ شاہ علی انور قلندر۔ اذکار الابرار ص ۵۵۴)

خلوت درانجمن:

خلوت درانجمن سے مراد یہ ہے کہ اپنے کو ظاہر اُتو امور دنیا میں مصروف رکھے اور باطناً قلب کو ان میں انہماک سے باز رکھے اور جہاں تک ہوسکے اپنی کیفیت حبِ الٰہی (حبی کیفیت) میں ترقی کی کوشش کرے کیوں کہ یہی مآلِ کار ہے (یعنی اصل مقصود و مراد ہے)۔ (ایضاً ص ۵۵۵)

حفظ شریعت:

حفظ شریعت کے بارہ میں شاہ تراب علی قلندرؒ فرماتے ہیں:

بے کشتی شریعت دریائے معرفت میں
بے جا ہے اے مؤحد کرنا عبور ترا

ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

خلاف شریعت ہو جس کو پسند
نہیں ہم کو اس بے حقیقت سے کام

....

ایسے جاہل کی عبادت کچھ نہیں جو عمر بھر
صومِ داؤدی رکھے اور صومِ رمضاں چھوڑ دے

اعتدال:

افراط و تفریط ہر کام میں خواہ دینی ہو یا دنیاوی قطعی معیوب ہے۔ ہر امر میں حدیثِ نبوی: خیر الامورِ اوسطُھا (کاموں میں میانہ روی

بہترین راستہ ہے) پر عمل ہونا چاہئے۔(ملفوظ شاہ حیدر علی قلندرؒ۔ اتحاف ص ۴۶۷)

فنا:

شیخ سعید الدین نے شاہ حیدر علی قلندر سے پوچھا کہ فنا کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہ جاننے سے جاننا بہتر ہے۔ فرمایا کہ فنا یہ ہے کہ جو کچھ جانتا ہو اسے نہ جانے (ایضاً)

طلب کرامت:

ذوق وشوق و کرامت کا طلب گار، طالبِ حق نہیں ہے اس لیے کہ یہ بھی اگرچہ بہترین ہیں مگر حجاب ہیں۔ اور کرامت محض موہبت الٰہی (خالص عطائے الٰہی) ہے جو بندہ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ وہی ہے جو بحالت مخدومی بھی خادم رہے:

بود مرد آنکه درحال تمامی
کند باخواجگی کارِ غلامی

(ایضا۔ اتحاف ص ۴۶۸)

مقام عبودیت:

اعلیٰ ترین مقام، مقامِ عبودیت ہے اور نشانِ عبودیت یہ ہے کہ اپنے ہوا وہوس کو ترک کرکے ہر حال میں حق کا ہو رہے۔ فی الواقع مقامات میں اعلیٰ ترین مقامِ عبودیت ہے پکا دیندار وہ ہے جس کو حضرت سرور کائنات ﷺ سے کمالِ محبت ہو۔(ایضا ص ۴۶۸)

ظاہری حالت کی درستی:

جب تک ظاہر، شریعت کے مطابق مرتب نہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ

باطن غیر مرتب ہے اور اصلِ کار سے حرمان اور نقصان ہے۔ احکام شرعیہ پر عمل خود جاذبِ رحمت الٰہی ہے اور جب یہ دولت حاصل ہو جائے تو ''دوام توجہ الیٰ الحق'' پر استقامت چاہیے۔ (ایضاص ۴۶۹)

نفس کی تخلیق:

نفس جب کہ معدنِ شر (شر کا سرچشمہ) ہے تو اس کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ کیوں پیدا کیا گیا۔ اس کا جواب یہ سمجھنا چاہیے کہ علم عقائد سے یہ بات ثابت ہے کہ بدچیز کا پیدا کرنا بد نہیں۔ بلکہ شانِ جامعیت کا تقاضا یہ تھا کہ ہر قسم کی چیز کی تخلیق ہو۔ اب یہ بات کہ ضرورت کیا تھی؟ اس کو یہ سمجھو کہ پونڈے کے کھیت میں جس قدر زیادہ پانس جس پونڈے کی جڑ پر رکھی جاتی ہے وہی زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ پس یہ اس لیے پیدا کیا گیا کہ جس قدر اس سے احتراز کیا جائے گا اسی قدر حقانیت کا ظہور ہوگا اور انسان کو عرفان حاصل ہوگا جو اس کی تخلیق کا اصلی مقصود ہے۔ (ایضاص ۴۷۰)

قیدِ شریعت:

نفس کی فطرت کا تقاضا آزادی ہے اگر شرع شریف کی قید نہ ہوتی تو یہ نفس خدا معلوم کیا کرتا۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اپنی قسمت پر راضی نہیں رہتا اور زیادہ مانگتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب میں کس قدر ذلت ہے خاص طور پر اس چیز کی طلب میں جو قسمت ہی میں نہیں ہے۔ اس لیے نفس کی خواہشات پر نہ جانا چاہیے اس کی مخالفت کرنا چاہیے، اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر و تحمل کرنا چاہیے۔ (ملفوظ: شاہ تقی علی قلندرؒ۔ اتحاف ۴۹۷)

مجاہدات کا مقصد:

ریاضت اور مجاہدہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ اخلاق نبوی ﷺ کی روشنی

میں نفس کی تہذیب و تربیت کرلی جائے۔ اگر اتباع کامل حاصل ہو گیا تو اتباعِ حال بھی نصیب ہو گا کیوں کہ المواہب آثار المکاسب (یعنی کوشش اور محنت کے نتیجہ ہی میں عطاء الٰہی ہو تا ہے)(ایضا۔ اتحاف ص ۴۹۸)

توکل سے مراد:

توکل مراتب کا اصل الاصول ہے اور اس سے مراد مخالفت نفس ہے (کہ اس کی مخالفت کرکے حق کی راہ میں قدم جمادے) جس کو خدا توفیق دے۔ وَمَنْ یَتَوَکَّلُ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ' (جو اللہ پر توکل کرلے تو اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے)۔ پس توکل میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھے اور غیر توکل (کے معاملات) میں خَلق کی طرف۔ قوتِ کفاف (بقدر ضرورت روزی) پر قناعت کرے اور طمع کو دفع کرکے مادۂ تشویش کو رفع کردے۔ (ایضا۔ ص ۴۹۸)

نفس کا خطرہ:

آدمی کا سب سے زیادہ دشمن نفس ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نفس ہرگز نافرمانی اور خلاف ورزی کرنے سے باز نہیں آتا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ نفس سے بڑھ کر کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی گئی ہے۔ اور یہ نفس ہی ہے جو مخلوق میں خدائی کا دعویدار بن جاتا ہے:

نفس را ھفصد سراست و ھرسرے
از فرازِ عرش تاتحت الثرے

(ایضا۔ ص ۴۹۸)

اصول درویشی:

اصول درویشی تین چیزیں ہیں کم کھانا، کم سونا اور خلق سے کم ملنا۔

کم کھانے کے فائدے بہت ہیں۔ اطباء کے نزدیک صحتِ جسمانی کا اصول یہی ہے۔ حکماء کے نزدیک دانش و حکمت کے حصول و طلب میں بڑی اہمیت اسی چیز کی ہے۔ زاہدین و عابدین بھی حق تعالیٰ کی عبادت کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش چیز اسی کو قرار دیتے ہیں۔ علماء علم کی یادداشت اور حفظ کے لیے سب سے افضل تدبیر اسی کو سمجھتے ہیں اور بادشاہان وقت بھی (نشاط اور چستی کے لیے) لطیف ترین ترکیب اسی کو مانتے ہیں اور عشاق بھی وصل معشوق (حقیقی) کا قوی ترین ذریعہ اسی کو خیال کرتے ہیں۔ (ایضاً۔ ص ۴۹۸)

دنیا میں راحت کی تلاش:

دنیا راحت کی جگہ نہیں ہے اور چونکہ سب ہی دنیا میں اس کے طالب ہیں اس لیے پریشان ہیں۔ حضرت سیدنا جعفر صادقؓ نے فرمایا ہے کہ جس نے وہ چیز مانگی جو پیدا ہی نہیں کی گئی ہے اس نے اپنی جان عذاب میں مبتلا کی۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ ''دنیا میں راحت'' جو پیدا ہی نہیں کی گئی ہے۔ (ایضاً ص ۴۹۹)

جفا اور ایذائے خلق پر تحمل کرنا چاہئے جہاں آفتاب نبوت تاباں تھا وہیں یہ ارشاد ہے کہ:

لقد اُو ذیت فی اللہ مالم یؤ ذ أحد (اللہ کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت دی گئی ہے اتنی کسی کو نہیں دی گئی)۔ (ایضاً ص ۴۹۹)

ادب:

درویش اور طالب حق کی سب سے اچھی صفت ادب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَدَّبَنِی رَبِّی فَاَحْسَنَ تَادِیْبِی (مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور مجھے خوب ہی ادب بخشا)۔

ادب تاجیست از فضل الٰهی
بنه برسربرو هرجاکه خواهی
(ایضا)

طلب اور عمل:

طلب اور عمل نہ ہو تو باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ حضرت غوث پاک کا ارشاد ہے:

التصوف ماأخذ من القیل و القال ولکن اُخِذ عن الجوع وترک الدنیا و قطع المالوفاتِ والمستحسناتِ

تصوف بات چیت اورزبانی جمع خرچ سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ وہ توبھوک، ترک دنیا اورمالوفات ومحبوبات کے چھوڑنے سے حاصل ہوتاہے۔

کار کن کاربگذر از گفتار
کاندریں راہ کاردارد کار
(ایضا۔ ص ۴۹۹)

جاہل پیرزادے:

شاہ تقی علی قلندرؒ فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں مجھ کو کچھ بھی رسوخ ہواتو میں سب سے پہلے جاہل پیرزادگان سے دوزخ بھروں گا۔ (ایضا۔ اتحاف ص ۵۰۰)

باب سوم

قلندری بزرگوں کی سوانح زندگی اور دیگر حالات

بانی سلسلہ حضرت شیخ عبدالعزیز علم بردار مکیؒ سے
شاہ مظہر کل قلندر کوٹی تک کے بزرگان قلندر

شاہ مظہر کل قلندر کوٹی تک کے بزرگان قلندر

قلندری طریق کا آغاز قلندری روایت کے مطابق حضرت شیخ عبدالعزیز علم بردار مکیؒ سے ہوتا ہے۔ ان سے حضرت سید خضر رومیؒ نے اس طریق کی اجازت و خلافت حاصل کی[1]، ان کو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے چشتی سلسلہ کی اجازت و خلافت دی[2] اور ان سے قلندری سلسلہ کی اجازت و خلافت حاصل کی[3]۔ اس طرح حضرت سید خضر رومی کا سلسلہ قلندریہ چشتیہ سلسلہ کہلاتا ہے، سید خضر رومی ہی کے ذریعہ ہندوستان میں قلندری سلسلہ کی اشاعت و ترویج ہوئی[4]۔ حضرت مظہر کل قلندر کوٹی (م ۱۸۱۷ء تقریباً) تک اس سلسلہ کے بزرگوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱	شیخ عبدالعزیز مکیؒ	وفات	۱۲ ذی الحجہ
۲	سید خضر رومی	"	۱۸ رجب ۷۵۰ھ (۱۳۵۰ء تقریباً)
۳	سید نجم الدین دہلوی	"	۲۰ ذی الحجہ ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء تقریباً)
۴	شیخ قطب الدین بینادل جونپوری	"	۲۵ شعبان ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء تقریباً)
۵	شاہ محمد قطب جونپوری	"	۹ ذی الحجہ ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء تقریباً)

(۱) روض الازہر ص ۱۲۶۔ شاہ تقی علی قلندر (۲) اخبار الاخیار ص ۴۷ (اردو ترجمہ)۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
(۳) روض الازہر ص ۱۲۶ (۴) اخبار الاخیار ص ۴۷

۶	شیخ الاسلام عبد السلام جونپوری	"	۱۵ ذی قعدہ ۹۷۶ھ (۱۵۶۹ء تقریباً)
۷	شیخ عبد القدوس جونپوری	"	۱۲ شوال ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۳ء تقریباً)
۸	شاہ مجتبیٰ احمد (مجا قلندر) لاہر پوری	"	۱۵ ربیع الثانی ۱۰۸۴ھ (۱۶۷۴ء تقریباً)
۹	شاہ فتح قلندر جونپوری	"	۲۲ شعبان ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۷ء) تقریباً)
۱۰	شاہ اللہدیہ احمد لاہر پوری	"	۲۷ ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۵ء تقریباً)
۱۱	شاہ عبد الرحمٰن ثانی لاہر پوری	"	۲۵ محرم ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء تقریباً)
۱۲	شاہ مظہر کل قلندر کوئی	"	۱۲۳۱ھ (۱۸۱۷ء تقریباً)

ان حضرات نے جس طرح عشق الٰہی کی شمع جلائے رکھی اس کی تفصیل کا موقع اب آگیا ہے اور چونکہ ہر ایک کی نسبت نے شاخ در شاخ بہت سے برگ و بار پیدا کیے اور ہزارہا گلشن حق جنم دیئے ہیں اور ان میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کا ذکر کیے بغیر قلندری طریق کا پورا تعارف ممکن نہیں اس لیے درمیان میں ان کی جھلک بھی اپنا جلوہ دکھاتی چلی گئی ہے۔ مثلاً حضرت شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی وغیرہ کے حالات بھی پیش کر دیے گئے ہیں تاکہ قلندر کی داستان جذب و عشق اگر ایک طرف قارئین کے لیے دوائے دل کا سامان فراہم کرے تو دوسری طرف خود "قلندر" بھی اپنے گوشۂ عزلت و خمول سے نکل کر ویرانوں کو آباد اور صحراء کو گلشن بنانے میں مدد دے سکے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز عبداللہ علم بردار مکیؒ

جذب و مستی اور فنا میں ڈوبی ہوئی وہ شخصیت جو قلندری طریق کا سرچشمہ اور اس راہِ فنا میں سالک کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ حالات تاریخ کی اندھیریوں میں گم اور خیالات و افکار روایات کی خاردار جھاڑیوں میں پراگندہ و منتشر، ابتدا مجہول اور انتہا نامعلوم، خضر صورت کہ طلوع و غروب اور وجود مسعود ہر ایک پر انسان کی کوتاہ رسی اور تاریخ کی نارسی نے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں پھر بھی ان کے بارہ میں جو معلومات ہم تک پہنچی ہیں وہ اس قدر مختلف، متضاد اور بعید از قیاس ہیں کہ ان کی وجہ سے حضرت شیخ تقی علی قلندرؒ نے یہ معنی خیز فقرہ بھی لکھ دیا ہے کہ **واللہ اعلم بحقائق الامور**: یعنی حقیقتِ حال سے باخبر صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

مختلف آراء یا رسالۂ غوثیہ کی تصریحات میں جو الفاظ استعمال کیے گیے ہیں وہ: قیل، یقال، بعضے گویند، قال الراوی۔ کہا گیا ہے، کہا یہ جاتا ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں، راوی یہ کہتا ہے، کے غیر یقینی اندازِ بیاں سے مجروح ہیں پھر ان بیانات میں یہ بھی کہیں نہیں ہے کہ حضرت عبدالعزیز علم بردار مکی نے اپنے بارہ میں یہ اطلاعات دیں، نہ یہ ہے کہ ان کے خلیفہ سید خضر رومی یا کسی ایسے شخص نے یہ باتیں بیان کی ہیں جنہوں نے حضرت علم بردار مکی کو دیکھا یا ان سے سن کر یہ حالات بیان کئے ہیں۔ سید خضر رومی کو سید قطب

الدین بختیار کا کیؒ سے بالمعاوضہ چشتیہ سلسلہ کی اجازت تھی لیکن سید قطب الدین بختیار کا کیؒ کے حالات اور بیانات میں بھی جو تاریخ میں محفوظ ہیں حضرت مکیؒ کے بارہ میں کوئی ذکر یا تذکرہ نہیں ملتا۔ تاریخی صفحات کی اس خاموشی کے علاوہ بزرگان قلندر کے مکشوفات بھی ان کے یہاں ایک اہم ذریعہ معلومات ہیں لیکن ان میں بھی حضرت عبدالعزیز علم بردار مکیؒ کے حالات، عمر، جائے ولادت و وفات، کمالات، خیالات یا دیگر معلومات نہیں ہیں جبکہ ان بزرگانِ دین کے مکشوفات میں دوسرے اکابر کے بارہ میں کشف کے ذریعہ حاصل کی ہوئی معلومات بھی جابجا نظر آتی ہیں۔ اس لیے مذکورہ بالا صورت حال کے پیش نظر یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت عبدالعزیز علم بردار مکیؒ کا وجود مسعود تو ایک یقینی امر ہے۔ وہ ایک طویل العمر بزرگ تھے، ان کی صحابیت بھی کوئی عقیدہ کا معاملہ نہیں، تاریخ سے ثابت شدہ حقیقت نہیں، قلندری بزرگوں کا دعویٰ ہے۔ جس کے بارہ میں بانی درس نظامیہ ملا نظام الدین سہالوی لکھنوی (م ۱۱۶۱ھ) کے بلند مقام صاحبزادہ علامہ عبدالعلی بحرالعلوم (م ۱۸۱۰ء) مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

"ومثل رتن مايدعون، الاولياء القلندرية البررة الكرام، صحبة عبدالله و يلقبونه علمبرداروينسبون خرقتهم اليه و يدعون اسنادا متصلاويحكون حكاية عجيبة و يدعون بقائه الى قريب من ستمآة ولا مجال لنسبة الكذب اليهم فانهم اولياء اصحاب الكرامات محفوظون من الله تعالىٰ والله اعلم"۔[1]

---

(۱) روض الازہر ص ۱۳۲ بحوالہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت

بابارتن ہی کی طرح قلندری بزرگوں کا
عبداللہ کے صحابی ہونے کا دعویٰ بھیؒ(زیربحث
رہا) ہے وہ لوگ ان کو علمبردار کے لقب سے
یاد کرتے ہیں اوراپنے سلسلۂ ارادت وخلافت کو ان
کی طرف منسوب کرتے ہیں اورقلندری طریق کے
(نبی ﷺ تک) متصل ہونے کے مدعی ہیں - وہ عجیب
حکایت بیان کرتے ہیں اور چھ سو برس تک ان کی
حیات کے مدعی ہیں- ان بزرگوں کی طرف غلط
بیانی کو منسوب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اس
لیے کہ یہ بزرگ خدا کی طرف سے حفاظت پائے
ہوئے اور اصحاب کرامت اولیاء کرام ہیں-

مولانا عبد الحی لکھنوی (۱۸۶۹ـ۱۹۲۳ رائے بریلوی) مؤلف
نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ:

"کتب رجال اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں
ان کا کوئی ذکر و تذکرہ نہیں ھے. حافظ بن حجر
عسقلانی نے اگر چہ بابا رتن ھندی کا ذکر کیا ھے
اور ان پر کلام بھی فرمایا ھے مگر الاصابہ میں شیخ
عبد العزیز علمبردار کا ذکر نہیں کیا. ایسے ھی نہ تو
علامہ ابن اثیر نے اُسد الغابۃ میں اور نہ ھی ان کے
علاوہ قدیم محدثین اور مؤرخوں نے اپنی کتابوں میں
ان کا ذکر کیاھے "

اتنا لکھنے کے بعد مؤلف نزہۃ الخواطر اپنی رائے بھی درج کرتے ہیں جو یہ ہے:

أما وجود الشيخ عبد العزيز المكی و کونه
من الأولياء فليس مما ينكر عليه [1]۔

لیکن شیخ عبد العزیز مکی کا وجود اور ان
کا اولیاء کرام میں شمار ہونا ایسی بات نہیں ہے
جس کا انکار کیا جائے۔

مولانا عبد الحی کے بیان سے یہ اندازہ ہو تا ہے کہ وہ حضرت عبد العزیز مکی کو صحابی تو نہیں البتہ اولیاء کرام میں ضرور شمار کرتے ہیں۔

مداریہ سلسلہ:

شیخ عبد العزیز مکی جس طرح قلندری سلسلہ کے بانی ہیں اسی طرح مداریہ طریق کا آغاز بھی انھیں سے ہوا ہے۔ شاہ بدیع الدین قطب المدار کو طیفور شامی سے انھیں امین الدین شامی سے ان کو حضرت عبد العزیز علمبردار سے اور ان کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت رسالت مآب ﷺ سے یہ نسبت واجازت حاصل ہوئی ہے [2]، نزہۃ الخواطر جلد سوم میں یہ شجرہ اس طرح ہے:

عن الشيخ عين الدين الشامی عن الشيخ
زين الدين المصری عن الشيخ عبد الأول
السجاوندی عن الشيخ ابی الربيع المقدسی عن
الشيخ عبد الله بن عبد الرشيد علمبردار المكی
عن الامام ابی بكر الصديق رض [3]۔

سلسلۂ مداریہ کی کئی شاخیں ہیں جن کی تفصیل ربط المشائخ میں ذکر کی گئی ہے [4]۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۳۲ (۲) فصول مسعودیہ ص ۸ (۳) نزہۃ الخواطر جلد سوم ص ۳۹، بحوالہ مہر جہاں تاب (۴) فصول مسعودیہ ص ۸، و اتحاف الاخیار ص ۳۱

مصافحہ کا سلسلہ:

شیخ عبد العزیز سے مصافحہ کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے اور خاندان فرنگی محل کو شاہ عبد الرزاق فرنگی محلی کے واسطہ سے اس کی روایت کا شرف حاصل ہوا ہے[1]۔

خاندانی تسلسل:

ہندوستان کے مشہور عالم اور فقیہ ملا جیون امیٹھوی جو تفسیرات احمدیہ اور نور الانوار کے مصنف ہیں۔ ان سے علمی اور درسی حلقے بخوبی واقف ہیں۔ ان کا نسب نامہ شیخ عبدالعزیز مکی تک پہنچتا ہے اور بروایت شاہ تقی حیدر قلندر (م ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء) وہ نسب نامہ اس طرح ہے۔

ملا احمد معروف به ملا جیون امیٹھوی بن مولوی سعید بن مولوی عبیدالله بن شیخ عبد الرزاق بن حضرت مخدوم بهاؤالحق خاصۂ خدا بن خضر بن کدّ ن بن خیر الدین بن مکرم بن عبید الله بن عارف بن عبد الحفیظ بن نصیر بن معروف بن غلام الله بن ابو تراب بن عالم بن عبد الکریم بن منصور بن معین الدین بن عبد القادر بن عبد العزیز بن ابو المکرم بن ابو الیسر بن شیخ عبد الله مکی صالحی منسوب به حضرت صالح علیه السلام[2]۔

شیخ نظام الدین امیٹھوی کے ملفوظات میں بھی یہی تصریح موجود ہے:

ومنشأایں سلسله یعنی قلندریه جد کلاں

---

(۱) اتحاف ص ۳۲ (۲) ایضاً ص ۱۰۱

ایں کاتب الحروف شیخ عبداللہ مکی علمبردار پیغمبر است [1]۔

قلندری سلسلہ کے بانی اس کاتب الحروف کے جد امجد پیغمبر ﷺ کے علمبردار شیخ عبد اللہ مکی ہیں۔

شیخ عبد العزیز عبد اللہ علمبردار مکی کی عمر چھ سو برس کی ہوئی ہے [2]۔

ان کی درازئ عمر کا یہ حال تھا کہ:

بسبب کبرسن مویہائے وے ریختہ بود [3]۔

درازی عمر کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے۔

درازئ عمر کا مسئلہ:

شیخ عبد العزیز مکی کی طویل عمر کا تعلق اسلامی عقیدہ سے نہیں ہے یہ ایک تاریخی مبحث ہے۔ جس میں اسی کے بطور واقعہ تسلیم کئے جانے یا تسلیم نہ کرنے پر ایمان واسلام کا مدار نہیں، تاہم انسانی تاریخ حیرت انگیز درازئ عمر کی مثالوں سے خالی نہیں ہے اور خدا کی اس عجیب وغریب کائنات میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔ بقول مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ:

خدا کی اس خدائی میں عجائبات کی کمی نہیں ہے. جس طرف بھی آدمی نگاہ ڈالے اس کی قدرت کے کرشمے غیر معمولی واقعات کی شکل میں نظر آتے ہیں. کچھ واقعات وحالات کا معمولاً ایک خاص صورت میں رو نما ہوتے رہنا اس بات کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس معمول سے ہٹ کر کسی

(۱) روض الازہر ص ۷۔۲۴ (۲) ایضاً بحوالہ رسالہ غوثیہ (۳) تحائف ص ۲۰۴ بحوالہ اصول المقصود

دوسری غیر معمولی صورت میں کوئی واقعہ رونما نہیں ھو سکتا. اس طرح کے مفروضات کو توڑنے کے لیے کائنات کے ھر گوشہ میں اورمخلوقات کی ھر صنف میں خلافِ معمول حالات وواقعات کی ایک طویل فھرست موجود ھے. خصوصیت کے ساتھ جو شخص خدا کے قادر مطلق ھونے کا واضح تصور رکھتا ھو وہ تو کبھی اس غلط فھمی میں نھیں پڑسکتا کہ کسی انسان کو ھزار برس یا اس سے کم وبیش عمر عطا کر دینا اس خدا کے لیے بھی ممکن نھیں ھے جو موت وحیات کا خالق ھے. حقیقت یہ ھے کہ آدمی اگر خود چاھے تو ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ نھیں رہ سکتا لیکن اگر خدا چاھے تو جب تک وہ چاھے اسے زندہ رکھ سکتا ھے[1]۔

چند مثالیں:

اس موقع پر اسلامی تاریخ کے چند نام طویل عمر پانے والوں کے ذکر کئے جاتے ہیں۔ہندوستان کے جوگیوں،جینیوں،ہندوؤں اور عیسائیوں کی مذہبی شخصیتیں جن کی عمریں بہت بتائی جاتی ہیں وہ بھی اگرچہ کسی کی طویل عمر پر حیرت زدگی کو ختم کرنے کے لیے کافی ہیں مگر اختصار کی وجہ سے اسلامی تاریخ کے محض چند ناموں پر اکتفاء کیا جارہاہے۔

(۱) تفہیم القرآن جلد سوم سورۃ عنکبوت حاشیہ نمبر ۲۲ اور سیرت سرورعالم حصہ اول ص ۳۸۳

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام: قرآن مجید کے بیان کے مطابق ان کی عمر ساڑھے نو سو برس ہوئی۔

۲۔ اصحاب کہف: یہ اپنے غار میں تین سو نو برس خدا کی طاری کی ہوئی نیند کی وجہ سے سوئے رہے اور پھر بیدار ہوئے، اس نیند سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ کو شامل کرلیا جائے تو کم از کم ساڑھے تین سو برس وہ بھی حیات رہے۔

۳۔ قُس بن صاعدہ: علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ اس کی عمر سات سو برس ہوئی۔ حکمائے عرب میں تھا اور بعثت نبوی ﷺ سے پہلے وہ لوگوں کو ایک مبعوث ہونے والے نبی کی خبر دیا کرتا تھا[۱]

۴۔ صفوان بن قصی (رسول اکرم ﷺ کے پردادا عبد مناف کے بھائی) حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت سید محمد بن جعفر مکی حسینی (مدفون سرہند) اپنی کتاب بحر المعانی اور بحر الانساب میں لکھتے ہیں کہ ''ان کی عمر اس وقت نو سو بانوے سال کی تھی جب وہ ان سے ملے تھے۔''

دیدم .... فرمودند که حضرت رسالت

درحق من دعا کرده اند[۲]۔

میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے میرے حق میں (درازئ عمر کی) دعا دی تھی۔

---

(۱) روض الازہر ص ۱۲۹، بحوالہ مجمع البحار (۲) اخبار الاخیار ص ۲۰۱۔ روض ص ۱۳۰

۵۔ شیخ سعید معمر حبشی صحابیؓ: ان سے مصافحہ معمری روایت کیا گیا ہے ان کی عمر سات سو سال سے زیادہ تھی۔ ان سے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دوسرے اکابر نے اپنی اسناد میں مصافحہ کی روایت کا ذکر کیا ہے[1]۔

۶۔ مولانا جامی نے نفحات الانس میں بابا رتن کا حال تفصیل سے درج کیا ہے جن سے شیخ رکن الدین علاء الدولہ کو روایت (بروایت شیخ رضی الدین علی لالہ) اور استفادہ کا موقع ملا تھا۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی اور علامہ مجد الدین شیرازی (مولف قاموس اور استاد حافظ بن حجر عسقلانیؒ) نے بھی ان کی صحابیت کی تصدیق کی ہے۔ بابا رتن کی عمر چھ سو سال سے زیادہ ہوئی ہے۔ اصابہ میں ان کے بارہ میں مختلف اقوال درج کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ مجد الدین شیرازی، امام ذہبی پر (جو بابا رتن کے وجود کے بھی منکر ہیں) سخت نکیر فرماتے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے بابا رتن کے وطن میں جا کر دیکھا کہ بے شمار لوگ بابا رتن سے واقف تھے اور اپنے بڑوں کے واسطے سے ان کے حالات بیان کرتے تھے[2]۔

۷۔ حضرت سلمان فارسی: حافظ بن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ ان کی عمر ساڑھے تین سو سال بلکہ اس سے زیادہ ہی بتائی گئی ہے[3]۔

۸۔ عمر بن مسیح: ایک سو پچاس برس کی عمر ہوئی۔

۹، ۱۰۔ لبید بن ربیعہ: اور حضرت ابو عبد الرحمٰن نسائی: دونوں نے ایک سو ستاون سال کی عمر پائی۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: العقد الثمین، شرح سفر السعادہ۔ اور مجمع بحار الانوار (۲) روض الازہر ص ۱۳۴
(۳) اذکار ص ۲۱۔ اصابہ ج ۲ ص ۶۲

۱۱۔ مستوغر بن ربیعہ: تین سو تیس سال زندہ رہا[1]۔

۱۲۔ عبید بن شربہ جرھمی: دینوری نے اپنی کتاب ''مجالسۃ'' میں لکھا ہے کہ وہ تین سو سال زندہ رہا۔[2]

۱۳۔ عبد المسیح بن قیس غسانی: ابن ظفر کی کتاب النصائح میں ہے کہ اس کی عمر ساڑھے تین سو سال سے زیادہ تھی۔

۱۴۔ ربیع بن ضبع بن وھب: عمر تین سو بیس سال کی ہوئی۔ عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ تھا۔ عبد الملک نے ان سے ان کی عمر پوچھی تو کہا کہ میں دو سو سال حضرت عیسی علیہ السلام کے دین پر رہا اور ساٹھ سال جاہلیت میں گزارے اور اب ساٹھ سال سے دورِ اسلام میں ہوں[3]۔

۱۵۔ حضرت حارثہ بن عبید کلبی: انؓ کی عمر پانچ سو سال کی ہوئی[4]۔

۱۶۔ حیدہؓ بن معاویہ: ھشام کہتے ہیں کہ میرے والد کہتے تھے کہ میں نے خراسان میں حیدہ کو دیکھا تھا یہ بھز بن حکیم الفقیہ کے دادا ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں تھے اور تب ہی انھوں نے حضرت عبد المطلب کو دیکھا تھا۔ ان کی وفات ۹۶ھ میں بزمانہ ولید بن عبد الملک ہوئی۔ ابو حاتم سجستانی کہتے ہیں کہ حیدہ ایک ہزار مرد و عورت کے عم تھے[5]۔

ان تینوں حضرات یعنی ربیع بن ضبع، حارثہ بن عبید اور حیدہ بن معاویہ کا ذکر حافظ بن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ میں کیا ہے[6]۔

۱۷۔ امانا ۃ بن قیس الکندی: طبری اور ابن شاہین نے لکھا ہے کہ یہ

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۶ (۲) اتحاف ص ۲۷ (۳) الاصابہ ج ۱ ص ۵۲۶ (۴) ایضاً ج ۱ ص ۳۷۱
(۵) اصابہ جلد ۱ ص ۳۶۵ (۶) تفصیل کے لیے دیکھئے اصابہ بن حجر، اذکار ابرار ص ۲۰۔۲۱

صحابی تھے ان کی عمر تین سو تیں سال کی ہوئی۔

۱۸ امد بن ابد حضرمی: ان کی تین سو سال عمر تھی انہوں نے ہاشم بن عبد مناف اور امیہ بن عبد شمس کو دیکھا تھا اور حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں زندہ تھے۔

۱۹ اکثم بن صیفی بن رباح: یہ حنظلہ بن ربیع بن صیفی کے چچا تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کی عمر تین سو سال اور ان کے والد کی عمر دو سو ستر سال کی ہوئی(۱)۔

تاریخی مسئلہ ہے نہ کہ عقیدہ:

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز عبداللہ علم بردار مکی کی طویل عمر کا معاملہ حیرت انگیز ضرور ہے مگر یہ کوئی ناممکن یا نایاب مثال نہیں ہے۔ ان کی عمر کا مسئلہ ایک تاریخی مسئلہ اور تحقیقی مبحث ہے جس میں تسلیم وانکار اور ردو قبول دونوں پہلوؤں کی گنجائش ہے۔ اسی طرح ان کی صحابیت کا مسئلہ بھی بحث ونظر کی گنجائش رکھتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے دور سعادت پر اور آپ کے بعد دور صحابہ اور دور تابعین پر جو مستند تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں بلکہ اس کے بعد بھی دو چار صدیوں تک تاریخ اور تحقیق کا جو زبردست کام ہوا ہے اور ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حضرت عبدالعزیز مکی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کی صحابیت کا مسئلہ قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت شدہ کوئی عقیدہ نہیں ہے جہاں اختلاف کے بجائے اقرار، اور بحث کی جگہ تسلیم و ایمان لازم ہو یا اس کے تسلیم کئے جانے پر نجات کا انحصار ہو اور اس سے انکار کو ایمان کی کمی یا عقیدہ کی گمراہی قرار دیا جائے۔

اجتہاد اہل فقہ کا ہو یا اہل کشف کا یا تاریخی حقائق، ان سے متعلق تمام مسائل ذوق ودلیل اور قلبی ایمان سے تعلق رکھتے ہیں ان پر کسی کو اطمئنان ہوجائے تو اپنے طور پر اسے تسلیم کرے مگر اسے عقیدہ کا معاملہ نہ

(۱) نمبر ۸ سے ۱۹ تک کی تفصیل اذکار ابرار ص ۲۰۔۲۱ سے ماخوذ ہے۔

بنائے کہ اس کے ماننے یا نہ ماننے پر کفر وایمان اور ہدایت وگمراہی کے فیصلے اور فتوے نامزد ہونے لگیں اور یہ غیر اعتقادی مسائل تفریق امت کا سبب بن جائیں۔ مشہور قلندر اور معقول ومنقول کے جامع عالم اور بزرگ شیخ تقی علی قلندرؒ نے اس بحث کو بڑی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"باید دانست که طریق علم با لحقائق بعد از وحی انبیاء علیهم السلام یا برهان عقلی است یا وجدان کشفی ودر هریک قصوروا ختلاف هویدا است زیرا که درمیان مذاهب متکلمین وحکمابایددید که چه قدر اختلافها است وهم چنیں درصوفیه اختلاف در مکشوفات ظاهر شد[1]۔

یہ جان لینا چاہئے کہ حقائق کے علم کاراستہ انبیاء علیہم السلام کی وحی کے بعد یا عقلی دلیل ہے یا کشفی وجدان، دونوں میں سے ہر ایک میں قصور واختلاف نمایاں ہے۔ حکماومتکلمین کے مسلکوں میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کس قدر اختلافات ہیں اور اسی طرح صوفیہ کے مکشوفات میں بھی اختلاف ظاہر اورنمایاں ہوچکاہے۔

بہرحال قلندری بزرگوں کے حضرت شیخ عبدالعزیز علم بردار مکیؒ کے متعلق خیالات آپ پڑھ چکے اور یہ بھی کہ شیخ سے قلندری طریق جاری ہوا ہے۔ حضرت سید خضر رومی، سید خضر پائے دوز، سید میران نظر اور سید میران محمود یکے پائے، ان چار حضرات سے شیخ مکیؒ قلندر کا سلسلہ جاری ہوا۔ آخری بزرگ سید میران یکے پائے کا فیض ان کے خلیفہ شیخ فخرالدین گنج اسرار کے ذریعہ جاری ہوا۔ حضرت سید خضر رومی، ہندوستان میں قلندری طریق کے بانی اور بڑے صاحب نسبت بزرگ ہوئے ہیں اس لیے اب انہیں کے حالات تحریر کیئے جاتے ہیں۔

---

(۱) روض ااا زہر ص ۳۰۰۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے روض ااا زہر بحث عقائد ص ۲۹۷

حضرت سید خضر رومی کھپر ادھاریؒ

(۵۶۰ھ-۵۷۵ھ)

شیخ خضر رومی حسینی سادات میں تھے[۱]۔ وہ قلندری جماعت کے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں[۲]۔ مشرب ان کا قلندریہ تھا[۳]۔ انھوں نے طریقت کی تعلیم شیخ عبدالعزیز عبداللہ علم بردار مکیؒ سے حاصل کی پھر شیخ رومی نے روئے زمین کی سیاحت کی، ہندوستان پہنچے اور دہلی شہر میں شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے چشتی طریقہ میں خلافت پائی[۴] اور شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ سے قلندری سلسلہ کی اجازت و خلافت حاصل کی[۵]۔ پھر شیخ خضر رومی دوسرے ملکوں کی سمت نکل گئے۔ ان سے شیخ نجم الدین بن نظام الدین حسینی دہلوی نے اور بہت سی مخلوق نے حصول فیض کیا[۶]۔ شیخ حسین قلندر اپنے رسالہ غوثیہ میں لکھتے ہیں:

> "جب سفر میں طویل مدت گزر گئی اور شیخ خضر رومی مختلف ملکوں کی سیاحت سے فارغ ہوئے تو ہندوستان دوسری بار تشریف لائے اور یہیں انتقال فرمایا۔ ان کی عمر

---

(۱) نزہۃ الخواطر جلد ۳ ص ۱۸۴ (۲) ایضاً جلد ۲ ص ۳۹ (۳) اخبار الاخیار ص ۴۷ (۴) ایضاً ۴۷۔ نزہۃ ج ۲ ص ۳۹ (۵) روض الازہر (۶) نزہۃ جلد ۲ ص ۳۹

ایک سونوے برس کی هوئی۔ ۱۸/رجب سنہ ۷۵۰ھ میں ان کی وفات هوئی۔ ایک روایت یه هے که ان کی عمر تین سوپچاس برس کے قریب هوئی۱۔

شیخ رومی کا سلسلہ ہندوستان میں اب تک موجود ہے اس سلسلہ کو چشتیہ قلندریہ کہتے ہیں ۲۔ ان سے شیخ قطب الدین بختیار کاکی (ولادت ۵۸۲ھ وفات ۶۳۴ھ بعمر ۵۲ سال) کو قلندری نسبت منتقل ہوئی تو شیخ قطب الدین سے ان کی طرف چشتی نسبت کا فیضان ہوا۔ شیخ رومی سے کرامات اور خوارق کا بہت زیادہ ظہور ہو ۳۔ یہ چرم پوش تھے، جذب وسکر کی کیفیت طاری رہتی، طویل طویل مراقبے کرتے۔ آپ کے ایک خلیفہ شاہ بحری قلندر تھے جن سے حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی نے فیض پایا۴، جس کی تفصیل ان کے حالات میں درج کی جائے گی۔ شیخ رومی کے دوسرے خلیفہ وجانشیں حضرت سید نجم الدین دہلوی ہیں جن سے قلندری طریق کی بڑی اشاعت ہوئی ایک تیسرے خلیفہ سید روح اللہ قلندر سے بھی قلندری طریق کو شہرت ملی۔

طیفوریہ سلسلہ کی اجازت:

مرادالمریدین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید خضر رومی کو طیفوریہ سلسلہ کی اجازت حضرت سید میر جمال الدین مجرد سے حاصل تھی اور چونکہ میر سید جمال مجرد چارابرو کا صفایا کیا کرتے تھے اس لیے سید خضر رومی نے بھی یہی وضع اختیار کرلی تھی ۵۔ مگر اپنی وفات سے ایک سال یا چھ

---

(۱) فصول مسعودیہ ص ۱۰ (۲) اخبار الاخیار ص ۴۷ (۳) ایضاً (۴) روض الازہر ص ۱۶۷ (۵) اتحاف الاخیار ص ۴۰

ماہ قبل انھوں نے داڑھی رکھ لی تھی[1]۔ اسی طرح سید رومی جذب و سکر کی وجہ سے زندگی بھر بے اختیاری کے عالم میں رہے مگر آخر عمر میں یہ کیفیت کم ہوئی اور شریعت کی پاسداری کا احساس ہوا تو فوراً ہی اس کی اتباع کی[2]۔

اتباع شریعت کے بارہ میں قلندری سلسلہ کا طرز عمل واضح ہے چنانچہ حضرت سید خضر رومی کے خلیفۂ اجل شیخ نجم الدین دہلوی کے حالات میں اس کی تفصیل دی گئی ہے جو آئندہ صفحات میں درج کیے گئے ہیں۔

(۱) فصول مسعودیہ ص ۱۳ (۲) باب اول "قلندری حیات" میں یہ بحث تفصیل سے گزر چکی ہے۔

شیخ نجم الدین دہلویؒ قلندر

(۶۳۷ھ۔۸۳۷ھ)

شیخ کبیر،معمر، نجم الدین بن نظام الدین بن نورالدین مبارک حسینی غزنوی دهلوی هندوستان کے ایک مشهور بزرگ هیں. کها یه جاتاهے که ۶۳۷ھ میں دهلی میں پیدا هوئے اورحضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت فرمائی اور ایک عرصه تک ان کی خدمت میں رهے لیکن ان پر کشف و شهود کے درنه کهلے چنانچه شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حکم پر روم کا سفر فرمایا اوروهاں سید خضررومی سے ملاقات کی. ان کی صحبت میں رهے اور ان کے پاس ره کر قلندری سلوک طے فرمایا پهرهندوستان واپس هوئے، مانڈو پهنچے اوروهیں قیام پذیر هوگئے. ان سے شیخ حسین سرهرپوری، شیخ قطب الدین جونپوری اوربهت سے لوگوں نے حصول فیض کیا [1]۔

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۸۴

قادری اور سہروردی سلسلہ:

شیخ نجم الدین کے دادا سید نور الدین مبارک، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۳۸۔۶۵۰ھ) کے بھانجے اور خلیفہ تھے اور انہیں کے حکم سے سلطان شہاب الدین غوری کی فوج میں شامل ہو کر دہلی تشریف لائے۔ سلطان غوری اس سے پہلے کئی بار ناکام رہا تھا مگر اس بار کامیاب ہوا[1]۔ شیخ نجم الدین کو قادری اور سہروردی سلسلہ کی خلافت اپنے والد شیخ نظام الدین سے ان کو اپنے والد سید نور الدین مبارک سے اور ان کو اپنے ماموں شیخ شہاب الدین سہروردی سے حاصل تھی۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی قادری سلسلہ میں براہ راست حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ تھے۔ قادری سلسلہ کے علاوہ شیخ شہاب الدین کو اپنے چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی سے سہروردی سلسلہ کی خلافت حاصل تھی[2]۔

رسالہ غوثیہ:

شیخ نجم الدین دہلوی کبار اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے حالات و کرامات کا تذکرہ آپ ہی کے خلیفہ شیخ حسین سرہرپوری نے رسالہ غوثیہ میں درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

> حضرت شیخ نجم الدینؒ دھلویؒ مقام غوثیت پر فائزتھے. وہ فرماتے تھے کہ اس راہ سلوک میں اصل چیزذکر ھے اور تلقین ذکر کے بعد فرماتے : ھم نے تم کو روٹی دی ،گھی علماء سے حاصل کرو. گھی سے مراد علم ظاھر

(۱) اتحاف الاخیار ص ۵۵ (۲) ایضاً ص ۱۷

اورسلوک سے مراد اپنی یافت ھے. اگر کسی کز
بحالت ریاضت مختلف فرشتے نظر آئیں تو اعتبارنہ
کرنا چاھئیے اوراس پر مغرور نہ ھوناچاھئیے. یہ بھی
فرماتے کہ التصوف ترک کل حظ النفس (لذت
نفس کو چھوڑنے کانام تصوف ھے)

یہ بھی فرماتے کہ:

کل عمل ووجد لایشھدہ الکتاب والسنة فباطل

ہر کام اوروجدان جس پر کتاب اللہ اورسنت
رسول اللہ ﷺ کی شہادت نہ ہو وہ بے قیمت اور باطل ہے۔

ارشاد فرماتے کہ:

قلندر چالاک فقیر است[1]
قلندر فقیر ہوشمند ہے۔

شیخ نجم الدین قلندر دہلوی مدت العمر بے ریش رہے مگر وفات سے پندرہ سال پہلے داڑھی رکھ لی تھی اور حضرت رسالت پناہ کے حسب ارشاد نکاح کیااور صاحب عیال ہوئے۔

بعض نام نہاد غلط اندیش لوگوں نے داڑھی مونڈنے کو قلندرانہ روش سمجھ کر فقرودرویشی کوبدنام کیاہے،اس پردہ میں انھوں نے دراصل اپنی بے راہ روی کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ ان کو فقروسرمستی اورجذب ووارفتگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں،ان کوبزرگان سلف کے حال ومقام سے واقفیت نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالعزیز علم بردار مکیؒ کے بارہ میں یہ گزرچکاہے کہ طول عمر کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے۔ حضرت سید

---

(۱) اذکارابرار ص ۶۳

خضر رومیؒ نے اپنی وفات سے سال چھ مہینہ پہلے شریعت کی وضع اختیار کر لی تھی اور حضرت سید نجم الدین غوث الدہر دہلویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے اصول المقصود میں یہ بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ:

بعد حضرت سیدنجم الدین غوث الدهر قلندر هیچ کسے از پیران ایں سلسله حلق نه نموده و ایں طریق موقوف شد[1]۔

سیدنجم الدین غوث الدہر کے بعد اس سلسلہ کے مشائخ میں سے کسی نے بھی حلق نہیں کیا اور یہ طرز عمل موقوف ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درازیٔ عمر کے علاوہ جذب و سکر اور مستی و عشق کی جو شدید کیفیت رہی وہ بھی سر و پا سے بے خبری کا سبب بنی مگر اس بے خودی اور فنائیت میں جب حقیقت عبدیت کا احساس غالب آ گیا اور شعور کی کمند نے مہمیز لگائی تو احترام شریعت اور پابندیٔ وضع ظاہری کا خیال آیا اور داڑھی رکھ لی گئی اسی کے ساتھ حلق لحیہ (داڑھی مونڈنے) کو صراحت کے ساتھ موقوف کر دیا گیا۔ یہ صراحت اس بنا پر تھی تاکہ ابتدائی طرز عمل کو کوئی دلیل نہ بنائے اور شریعت کی طرف رجوع کو ضروری سمجھا جائے چنانچہ بے خودی اور سر و پا سے بے خبری کی کیفیت جب ختم ہو گئی تو اس کے بعد ہی حضرت سید نجم الدین غوث الدہر کی زبان حق ترجمان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ:

کل عمل و وجدان لایشهده الکتاب والسنة فباطل

ہر کام اور وجدان جس پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی شہادت نہ ہو وہ غلط اور باطل ہے۔

---

(۱) اتحاف ص ۳۸۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح کے لئے باب دوم کا مطالعہ کیا جائے

درحقیقت قلندر ہو یا کسی بھی دوسرے مسلک کا صوفی اور فقیر سب ذات الٰہی کے پروانے اور صفات حق کی تجلیات کے اسیر ہیں، ذات حق کے عرفان سے محبت الٰہی کی منزل تک وہ جن مقامات سے گزرتے ہیں ان میں والہانہ سرمستی، بے خودی اور وارفتگی کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اتباع سنت رسول ﷺ ہو تو یہ کاوش اور کیفیت، محبوبیت اور قبولیت تک پہنچ جاتی ہے ورنہ یہ ساری جانفشانی اور جاں سوزی دعوائے محبت سے آگے نہیں بڑھتی۔ تحبون اللہ کی یہ ساری تگ ودو یحببکم اللہ کی سند قبولیت سے محروم رہتی ہے۔ اللہ سے لو لگانے اور اس کی سرمستی اور جوش پیدا کرنے کے لیے ایک شرطِ لازم ہے اتباع رسول اکرم ﷺ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"

اے رسول! آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

گویا سچا عاشق الٰہی بننا ہے تو اتباع رسول کرو۔ تمہاری یہ محبت اور سرمستی قبول کرلی جائے گی اور تم محبوب حق بن جاؤ گے۔ اتباع رسول اس راہ کی بنیادی شرط ہے شریعت اسلامی نے جس باطن کو مطلوب قرار دیا ہے اور جو باطنی کیفیات مطلوب ہیں ان کے لیے اس لباس ظاہر کی بھی نشان دہی کردی گئی ہے جن میں وہ پیدا ہوتی ہیں اور پھر قبولیت حق کا درجہ حاصل کرتی ہیں۔ اسی لیے حضرت سید نجم الدین غوث الدہرؒ نے یہ بات واضح فرمادی کہ ہر عمل اور وجدان کے لیے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے شہادت ملنا لازمی ہے۔ عمل کی ظاہری شکل ہو یا اس کی باطنی کیفیات، دونوں کے لیے دلیل اور ثبوت آیات الٰہی اور سیرت رسول ﷺ سے حاصل ہو تو وہ عمل بھی درست اور وہ احساس اور

وجدان بھی ٹھیک، ورنہ ایسا عمل و وجدان لغو اور باطل ہے۔

شیخ نجم الدینؒ نے دو سو برس کی طویل عمر پائی [1]۔ وفات تک وہ مانڈو (ضلع دھار مدھیہ پردیش) میں رہے۔ یہ ہوشنگ شاہ غوری بن دلاور خاں حاکم مالوہ کا زمانہ تھا۔ شیخ کی وفات ''الانتصاح'' کی تصریح کے مطابق ۲۰/ذی الحجہ ۸۴۳ھ میں ہوئی [2]۔ قصبہ تالچہ متصل گھاٹی نونہرہ، چندلا دے بی کے تالاب کے کنارہ، سلطان غوری کے محل کے مغربی سمت آپ کا مزار ہے۔

سید نجم الدین دہلویؒ کے پانچ خلفاء کو شہرت ملی جن کے نام یہ ہیں:

شیخ حسین، شیخ تاج الدین، شیخ مَنُّ اللہ، سید حسام الدین سروپا برہنہ اور شیخ قطب الدین بینادل جونپوری۔

شیخ حسین سے شیخ بہاء الدین جونپوری کو خلافت ملی اور ان سے سید علی قوام شاہ عاشقاں سرائے میری کو خلافت حاصل ہوئی۔ میر سید علی قوام سرائے میری نے شاہ عبدالقدوس عرف شاہ قدن شطاری نظام آبادی سے بھی خلافت پائی۔

شیخ مَنُّ اللہ، شیخ اڈھن کے عرفی نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد شیخ بہاء الدین جونپوری، جونپور کے بڑے صاحب علم افراد میں شمار ہوتے تھے۔ شیخ اڈھن سے سلطان محمود جونپوری اور شیخ قطب الدین چشتی کو خلافت ملی۔ آخر الذکر سے شیخ قیام الدین چشتی نے خلافت پائی۔ شیخ قیام الدین چشتی کے مشہور خلفاء یہ ہیں: شیخ عبدالسلام جونپوری قلندر (سہروردیہ میں)، شیخ عبدالحی چشتی، سلطان محمود جونپوری (یہ مشہور عالم اور فقیہ ملا محمود جونپوری کے نانا ہوتے ہیں) اور شیخ سکندر چشتی۔

سید حسام الدین سروپا برہنہ سے یہ سلسلہ شاہ میر محمد قلندر راوران

---

(۱) روض الازہر۔ اتحاف الاخیار (۲) نزہۃ الخواطر ص ۱۸۴

کے صاحبزادہ مولانا شیخ حسین بخش علوی کاکوروی (شہید ۱۲۵۸ھ رسول آباد۔ اٹاوہ) تک پہنچا۔ حسین بخش کاکوروی سے ان کے نامور پوتے اور اردو زبان کے مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی نے اجازت و خلافت پائی۔

بعض مورخین نے حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتیؒ کو حضرت شاہ نجم الدین قلندر کا خلیفہ قرار دیا ہے اور کچھ مورخوں نے ان کے پیر بھائی شاہ بحری قلندر کا خلیفہ بتایا ہے اس لیے اس موقع پر حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کے حالات درج کیے جاتے ہیں۔

شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر پانی پتیؒ

(۶۳۰ھ — ۷۲۴ھ)

شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی مشہور اولیاء میں ہیں[۱]، آپ کا نسب نامہ آٹھ واسطوں سے امام ابو حنیفہؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد گرامی شیخ فخر الدین زبیر پانی پت تشریف لائے تو وہیں ۶۳۰ھ میں شاہ بو علی قلندر کی ولادت ہوئی۔ شیخ قطب الدین جمال ہانسوی (م۶۶۹ھ) آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ تحصیل علم کے بعد تیس سال تدریس اور افادہ میں صرف کیے۔ مسجد قوۃ الاسلام دہلی (جس کا ایک مینارہ، قطب مینار کے نام سے مشہور ہے) میں بارہ سال تک وعظ وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک دن وعظ کے دوران میں کوئی فقیر آواز دے گیا کہ:

شرف الدین! جس کام کے لیے پیدا ہوا ہے اس کو بھول گیا!!

یہ سن کر آپ کے دل میں طلب الٰہی کا جذبہ بھڑک اٹھا[۲]۔ خود ہی حکمت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جذب الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد علمی تحقیق اور تعلیمی شغل کو میں نے ترک کر دیا۔ دہلی سے نکلا ملکوں کی سیاحت کی، شیخ تبریزی اور مولانا جلال الدین رومی سے ملا، ان سے خرقہ پہنا، ہندوستان واپس ہوا اور مشیخت کی پونجی جمنا میں بہادی[۳]۔

(۱) نزہۃ الخواطر ج۲ ص۳ (۲) اتحاف ص۱۵ (۳) نزہۃ ج۲ ص۳ بحوالہ گلزار ابرار

ہندوستان میں شیخ بوعلی قلندرؒ کو خلافت کس بزرگ سے حاصل ہوئی اس کے بارہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت وبعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیاء. وہیچ یکے ازیں بصحت نہ رسیدہ۱۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت بختیار کاکیؒ سے ان کا تعلق تھا اور کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے تعلق رہا، ان دونوں روایتوں میں سے کوئی بھی درست نہیں ہے۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات (۶۳۳ھ) کے وقت تو بوعلی شاہ قلندر تین سالہ بچہ تھے اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بھی استفادہ اور اخذ بیعت ثابت نہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ مولانا بحری قلندر کے خلیفہ تھے جن کو سید خضر رومی سے خلافت حاصل تھی۔ منبع الانساب کی ایک روایت یہ ہے کہ وہ شیخ نجم الدین قلندر دہلوی کے خلیفہ تھے۔ اتحاف الاخیار کے مؤلف شیخ تقی حیدر قلندر کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شیخ بوعلی قلندر کے نام کے ساتھ قلندر کی نسبت اور شہرت ابتدائی دور ہی سے رہی ہے اس لیے ان کا حضرت سید خضر رومی یا سید نجم الدین قلندر دہلوی سے خلافت پانا زیادہ قرین قیاس ہے۲۔

شیخ بوعلی قلندر پر ہروقت جذب وسکر کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ "حالت جذب وسکر میں آپ کی لبیں بڑھ گئی تھیں، کسی کی مجال نہ تھی کہ مزاحم ہو۔ آخر کار مولانا ضیاء الدین سنامی نے جوش شریعت میں خود قینچی لے کر آپ کی ریشِ مبارک پکڑ کر مونچھوں کو

---

(۱) بزم صوفیہ ۲۷۹ بحوالہ اخبار الاخیار ص ۱۳۱ (۲) اتحاف ص ۵۱

تراش دیا۔ آپ نے ریش مبارک کو چوما اور فرمایا کہ:

کیا مبارک ریش ہے جو راہ شریعت میں پکڑی گئی [1]۔

تصوف کے دوسرے خانوادوں سے قلندر کے تعلقات کی وضاحت کرتے ہوئے ہم نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ کا تذکرہ کیا ہے [2]۔ اس میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت شاہ بو علی قلندر کے باہمی تعلقات، سلاطین پر حضرت شاہ بو علی قلندر کے اثرات کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ شاہ بو علی قلندر اور امیر خسرو کی ملاقات اور گفتگو کی تفصیل بھی دی گئی ہے یہاں اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ شاہ بو علی قلندر کے شاعرانہ کمال یا ان کے ذوق شعری اور عارفانہ کلام کی داد، امیر خسرو جیسے ماہر فن دے چکے ہیں جس کی کچھ تفصیل باب اول میں گزر چکی ہے۔ شاہ بو علی قلندر کی تصنیفات میں ان کا ایک مختصر دیوان اور مکتوبات یادگار ہیں، مکتوباتِ حکمت میں حقائق و معارف کے بارہ میں دقیق اشارات ہیں جن سے عارفان طریق ہی لطف لے سکتے ہیں۔

شاہ بو علی قلندر کے ملفوظات سے ان کے خیالات کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ:

درویشی کیا ہے؟ نفس کو مارنا، اپنی ہستی کا طلسم توڑنا، غیر سے ترک تعلق کرنا، خودکی گرفت سے آزاد ہونا اور دوست سے وابستگی اختیار کرنا، آتش محبت میں جلنا اور راکھ ہوجانا [3]۔

---

(۱) بزم صوفیہ ۲۷۹ بحوالہ اخبار الاخیار ص ۱۲۱۔ اور۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۲۶ (۲) دیکھئے اس کتاب کا باب اول عنوان ''حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ میں'' (۳) نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۴

شیخ نے ۱۲ یا ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں وفات پائی[1] اس وقت ان کی عمر چورانوے سال تھی[2]۔ مشہور ہے کہ پانی پت اور کرنال کے باشندوں میں ان کی تدفین کے بارہ میں اختلاف ہو گیا تو کسی بزرگ کے ارشاد پر دونوں طرف سے نعش کے قریب اپنی اپنی چارپائی رکھ دی گئی۔ بعد میں دیکھا گیا تو دونوں پر نعش تھی چنانچہ ہر ایک نے لیجا کر اپنے اپنے یہاں دفن کر دیا۔ دونوں طرف کے لوگ آج بھی اپنے اپنے یہاں ان کے مزار کے دعویدار ہیں[3]۔

ادھر دورِ آخر میں اس درگاہ شاہ بو علی قلندر پانی پتیؒ کے جوار میں اقامت گزیں بزرگ ''حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ[4]'' گزرے ہیں، جن کے چند ملفوظات ہم نے باب دوم میں نقل کئے ہیں۔ سید غوث علی شاہ قلندرؒ کی دو کتابیں تذکرۂ غوثیہ اور تعلیمات غوثیہ شائع ہوئی ہیں جو ان کے ''خلیفہ مولوی شاہ گل حسن[5]'' کی مرتّب کردہ ہیں۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۴ (۲) تحائف ص ۵۳ (۳) ایضاً (۴) اذکار ابرار ص ۵۷۸ (۵) ایضاً

شیخ قطب الدین بینادل جونپوری

(۷۷۶ھ۔ 925ھ)

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ناظم ندوۃ العلماء اپنی عربی تصنیف نزھۃ الخواطر جلد چہارم صفحہ ۲۷۲ میں لکھتے ہیں کہ:

"شیخ کبیر معمر، قطب الدین بینادل بن شیخ بن علاء فاروقی سرہر پوری جونپوری ۷۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی اور اسی وجہ سے ان کو بینادل (روشن دل یا روشن ضمیر: دل کی آنکھوں سے دیکھنے والا) کا خطاب دیا گیا۔مشائخ قلندریہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے قلندری طریق شیخ نجم الدین دہلوی سے حاصل کیا جن کو شیخ خضر رومی سے اجازت حاصل تھی ..... انہوں نے شیخ نجم الدین سے قادری اور چشتی طریقہ کی بھی تعلیم حاصل کی۔ شیخ شمس الدین ظفرآبادی سے سہروردیہ اور مداریہ طریق پر اور شیخ حسن بن معز بلخی سے طریقۂ فردوسیہ کی تعلیم اور تربیت پائی

شیخ حسن بن معز بلخی براہ راست حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ (م ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء) کے خلیفہ تھے[۱]۔

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۳ ص ۲۳۸

شیخ بینا دل کو سلسلہ مداریہ کی اجازت حضرت سید جمال (یہ شیخ جُمّن جتی کے نام سے مشہور ہوئے) سے حاصل تھی اور ان کو خود حضرت شاہ مدارؒ سے ۱۔

شیخ بینا دل قلندری سلوک کے امام، بڑی ریاضت و مجاہدہ والے اور اصحابِ سلوک اولیاء اللہ میں تھے ۲۔

سرھر پور سے منتقل ہو کر جونپور کو اپنا مستقر بنایا۔ ذکر غوثیہ کے دوران میں سر اندازی کے وقت آپ کا سر اور دھڑ الگ الگ ہو جاتا تھا اور اسی وجہ سے آپ کو سر انداز غوثی کہا جاتا ہے۔ شیخ عبد اللہ شطّار (خلیفہ شاہ مظفر گورگانی) آپ کے بارہ میں فرماتے تھے کہ:

حضرت قطب صاحب خدا کے پہلوان ہیں ۳۔

شیخ قطب الدین بینا دل سے ان کے صاحبزادہ محمد قطب اور داماد شیخ فضل اللہ بن نصر الدین قطبی حسنی بہاری اور دوسرے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا اور خلافت پائی ۴۔ آپ کے ایک خلیفہ سید گوشائیں سے قلندری نسبت کا فیض خانقاہ مجیبیہ پھلواری (بہار) پہنچا، اس خانقاہ کے دور آخر کے مشہور بزرگ اور واعظِ شیریں بیان شاہ محمد سلیمان پھلواروی تھے یہ ندوۃ العلماء کی تحریک میں پیش پیش رہے۔ ان کے بارہ میں شاہ تقی حیدر قلندر لکھتے ہیں کہ "شاہ حبیب حیدر قلندر (م ۱۳۵۴ھ) کی جن علماء و مشائخِ ہم عصر سے خط و کتابت و مراسم و ملاقات تھی ان میں.... مولوی شاہ محمد سلیمان پھلواروی مغفور بھی تھے ۵۔ شاہ قطب الدین بینا دل کا فیض ایک دوسری راہ سے پٹنہ بہار ہی کے شاہ محمد منعم قادری

---

(۱) روض الازہر (۲) نزہۃ جلد ۴ ص ۲۷۲ (۳) روض الازہر ص ۱۷۰ (۴) نزہۃ ۲۷۲ (۵) اذکار ص ۶۶۸

(م ۱۱۵۰ھ) اور ان کے خلفاء کے واسطے سے بنگال تک جا پہنچا۔ شاہ بینا دل کے ایک اور خلیفہ شاہ داؤد سرمست قلندر جونپوری، قلندری طریق کے بڑے صاحب جذب بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی صاحب فیض خلفاء ہیں جنہوں نے شاہ قطب بینا دل سے فیض پایا اور اجازت و خلافت حاصل کی ان کی تفصیل اصول المقصود، فصول مسعودیہ، مناقب الاصفیاء اور اذکار ابرار میں درج کی گئی ہے۔ شیخ قطب الدین بینا دلؒ نے ۹۲۵ھ میں انتقال فرمایا اس وقت وہ ایک سو انچاس برس کے تھے، علن پور جونپور میں آپ کا مزار ہے۔ یہ علن پور اب شیخپورہ کے نام سے مشہور ہے اور شیخ کا مزار سڑک اور جیل کے درمیان واقع ہے[1]۔

(۱) اذکار ابرار ص ۲۷۳

شاہ محمد قطب قلندر جونپوریؒ

(۸۴۰ھ — ۹۳۰ھ)

مخدوم قطب الدین بینادل کے بڑے صاحبزادہ اور جانشین شاہ محمد قطب قلندر جونپوریؒ ۸۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی سے حاصل کی اور سلاسل سبعہ (ساتوں سلسلوں) میں ان کے مجاز اور خلیفہ ہوئے۔ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے، ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہتے اور اپنے باطنی کمالات کو خلق کی نظر سے مخفی رکھتے، خلق کے ساتھ زیادہ آمیز نہ ہوتے۔

لباس فقر:

ابتداء میں تصوف کے اور خانوادوں کی طرح خاندان قلندریہ میں لباس فقر بطور قمیص و کلاہ (کرتا اور سرپوش) رائج نہ تھا، کسی خاص وضع کی پابندی نہ تھی۔ سب سے پہلے حضرت قطب الدینؒ بینادل نے اپنے زمانہ کے اعیان و مشائخ کا لباس اختیار فرمایا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادہ اور خلیفہ شاہ محمد قطب قلندرؒ کا لباس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسا تھا یعنی سفید ٹوپی، سفید کرتا، سفید پائجامہ اور کبھی اس کے سوا۔

آپ میں سکرو جذب بہت بڑھا ہوا تھا۔ اکثر اوقات مراقبہ میں سربزانو رہتے تھے۔ شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ (م ۶۳۸ھ) کے ہم مشرب تھے، مسئلہ توحید پر نہایت مدلل تقریر فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ مجھ کو ابتدا میں توحید

---

(۱) اتحاف ص ۱۰۲

وجودی کی دو دلیلیں معلوم تھیں اب سولہ دلیلیں معلوم ہیں۔ فرماتے تھے کہ:

درویشی کی اصل دو چیزیں ھیں ایک تھذیب اخلاق اور دوسری محبت اھل بیت۔[1]

یہ پیش نظر رہے کہ تہذیب اخلاق سے مراد اخلاق کی درستی اور رذائل اخلاق سے پرہیز ہے اور محبت اہل بیت سے مراد ازواج نبی ﷺ (امہات المومنین: حضرت خدیجہؓ عائشہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، وغیرہ وغیرہ) اور بنات طاہراتؓ (رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں) کی محبت اور توقیر بھی ہے اور حضرات حسنینؓ کی محبت اور توقیر بھی، خلفاء راشدین میں سے دو کی صاحبزادیاں آپؐ کے عقد میں تھیں یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جو اس رشتہ سے اللہ کے رسول ﷺ کے خسر بھی ہوتے ہیں۔ خلفاء راشدین میں سے باقی دو یعنی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اکرم ﷺ کے داماد تھے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین کے لقب سے معروف ہیں اس لیے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دی گئیں۔ غرض یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ازواجی رشتہ دار ہوں یا دامادی رشتہ دار یا آپ کے محبوب نواسوں کے رشتہ سے دوسرے قرابت دار یہ سب رسول اللہ ﷺ کے گھرانہ کے لوگ ہیں ان سے یکساں طور پر محبت برقرار ہو بلکہ روزافزوں ہو تو نسبت رسول کا فیضان بھی بڑھتا رہے گا اور درویشی بھی افراط و تفریط سے محفوظ رہے گی۔

شیخ محمد قطب قلندرؒ کے مزید حالات یا ان کے دیگر خلفاء اور مریدین کے نام دستیاب نہیں۔ آپ سے جن لوگوں نے فیض حاصل کیا ان میں سب سے زیادہ ممتاز آپ ہی کے صاحبزادہ شیخ عبدالسلام جونپوری قلندرؒ[2] ہیں جو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔

شیخ محمد قطب قلندرؒ نے نوے سال کی عمر میں ۹ / ذی الحجہ ۹۳۰ھ کو وفات پائی اور علن پور جونپور میں اپنے والد گرامی حضرت قطب صاحب کے پائین میں دفن ہوئے[3]۔

---

(۱) اذکار ابرار ص ۹۸ (۲) نزہۃ الخواطر ج ۴/ ۱۷۸ (۳) اتحاف ص ۱۰۶

شیخ الاسلام عبد السلام جونپوریؒ

(شاہ علن جونپوری)(۸۶۱ھ —— ۹۷۶ھ)

مؤلف نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

شیخ صالح معمر، عبدالسلام بن محمد بن قطب الدین فاروقی جونپوری، سلوک قلندریہ کے مشہور بزرگ ہیں-جونپور شہر میں پیداہوئے اور وہیں پروان چڑھے - اپنے والد گرامی شیخ محمدقطب قلندر سے استفادہ کیا اورمدت العمر انہیں کے ساتھ رہے اوران کے بعد ان کے جانشین ہوئے- کہا یہ جاتاہے کہ انھوں نے اپنے دادا شیخ قطب الدین بینادل کا زمانہ پایا اور ان سے بھی کسب فیض کیا-

بڑے مشائخ صوفیہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان سے شیخ عبدالرحمٰن (جاں باز قلندر) لاہرپور ی، شیخ محمود قلندر لکھنوی، شیخ عبدالرزاق امیٹھوی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے طریقت میں استفادہ کیا- ان کی عمر سوسال سے زیادہ ہوئی- جب ان سے شیخ عبدالرزاق امیٹھوی کی ملاقات ہوئی ہے اس وقت ان کی عمرالانتصاح کی روایت کے مطابق ایک سوپندرہ سال تھی[1]

آپ کے دادا شاہ قطب الدین بینادل قلندرؒ کے ایک ممتاز خلیفہ شاہ

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۷۸

داؤد سرمست قلندرؒ نے اپنی صاجزادی بی بی اتقیاء کا شیخ عبدالسلام سے نکاح کردیا تھا۔ وہ اللہ کی نیک دل بندی، ولی صفت اور رابعۂ زمانہ تھیں، کوئی اولاد نہ ہوئی تو عقد ثانی کے لیے آپ سے اصرار کرتی رہیں چنانچہ ان کے انتقال کے بعد شیخ عبدالسلام نے علن پور اور جونپور کے درمیان ایک دیہات جو گیارہ کی ایک سید زادی سے نکاح فرمایا جن سے آپ کے صاجزادہ اور جانشین شیخ عبدالقدوس جونپوری پیدا ہوئے۔

ابتدا میں اس سیدزادی کے سرپرستوں نے اپنی دولت مندی اور آپ کے فقروفاقہ کو دیکھ کر شادی کرنے سے انکار کردیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب یہ بے مال ومنال ہو جائیں گے تب نکاح کریں گے۔ چنانچہ دو سال ہی میں ساری دولت جاتی رہی تب انھوں نے آپ کو اپنی لڑکی دی۔ جس سے شیخ عبدالقدوس جیسا صحرائے حقیقت کا بلند پرواز شہباز پیدا ہوا۔

سہروردی نسبت:

شیخ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان کو شیخ اڈھن بن شیخ بہاء الدین ظفر آبادی سے بھی سہروردی سلسلہ میں اجازت حاصل تھی[1]۔

ملا محمود جونپوری کے نانا بھی:

شمس بازغہ کے مصنف ملا محمود جونپوری کے نانا سلطان محمود جونپوری بھی شیخ عبدالسلام قلندر جونپوری کے خلفاء میں تھے[2]۔

آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں آپ کے صاجزادہ شیخ عبدالقدوس جونپوری خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔

وفات:

شیخ نے ۱۵/ ذی قعدہ ۹۷۶ھ میں وفات پائی اور جونپور میں اپنے آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

---

(۱) اتحاف ص ۱۱۸۔ بحوالہ بحر زخار (۲) نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۷۸۔ اتحاف ص ۱۱۸

شیخ عبدالقدوس جونپوریؒ

(۹۴۲ھ — ۱۰۵۲ھ)

شیخ عبدالقدوس جونپوری ۹۴۲ھ میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ بیعت اور تعلیم و تربیت کا تعلق اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالسلام جونپوری سے تھا اور سلاسل قلندریہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، فردوسیہ، طیفوریہ ومداریہ کی انہیں سے اجازت و خلافت پائی۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شاہ عبدالرحمٰن جانباز لاہرپوری کی صحبت میں ایک مدت گزاری اور علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل کے بعد اپنے وطن آئے اور اپنی گمنامی میں کوشاں رہے۔ آپ کے خلیفہ وجانشین شاہ مجتبٰی عرف مجا قلندر اپنے مکتوب چہارم میں شاہ عبدالرسول گھندوی کو لکھتے ہیں کہ:

معشوق را جزء حق سبحانهٗ دیگر کسے نداند ونشناسد، اولیائی تحت قبائی لایعرفهم غیری در باب ایشان است، قطب العالم شیخ عبدالقدوس نوراللہ مرقدهٗ از ایشان بودند.

حق تعالیٰ کے سوا اس کے محبوب کو اور کوئی جانتا پہچانتا نہیں ہے۔ اولیائی تحت قبائی لایعرفهم غیری (میرے اولیاء میری قبا میں ہیں ان

کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا) انہیں لوگوں کے بارہ میں ہے۔ قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ انہیں لوگوں میں سے تھے۔

ابتدا میں کسب حلال کی غرض سے اور گمنامی کے خیال سے کاشتکاری اختیار کرلی، لیکن آخر کو حالات چھپ نہ سکے اور آپ مرجع عوام وخواص بن گئے۔ تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ایک روز خدام کھانا لے کر آئے تو لقمہ کھاتے ہی دل پر کدورت طاری ہو گئی۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ کھانا تو حلال تھا مگر پڑوسی کے گھر سے آگ کے ساتھ کچھ لکڑی بھی آ گئی تھی۔ آپ نے یہ جو سنا تو ہمسایہ سے معاف کرانے گئے اور کچھ اس کو دیا بھی تب نوش فرمایا۔ کشف اور تصرف میں بہت زیادہ ممتاز تھے۔

شیخ عبدالقدوس کے خلفاء بہت ہوئے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ شیخ مجتبیٰ عرف مجا قلندر لاہرپوری[1]۔ قدوۃ العلماء عطاء اللہ (والد گرامی ملا[2] غلام نقش بند، سجادہ نشیں شاہ پیر محمد لکھنوی)، ملا افضل جونپوری (استاد ملا محمود جونپوری مصنف شمس بازغہ)، دیوان عبدالرشید مؤلف رشیدیہ وغیرہ[3]۔

آپ کی صرف دو ہی صاحبزادیاں ہوئیں ایک لاولد رہیں اور دوسری صاحبزادی سے ابوالفضل اور ثناء اللہ ہوئے جن کو قاضی محمد تقی قلندر مہونوی سے خلافت حاصل ہوئی۔

شیخ عبدالقدوس قلندر جونپوریؒ نے ایک سو دس برس کی طویل عمر پائی اور ۱۲ر شوال ۱۰۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ علن پور میں اپنے والد گرامی اور جد بزرگوار کے قریب دفن کئے گئے۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۲ (۲) ایضاً ج ۵ ص ۲۸۳ (۳) اتحاف ص ۱۳۳۔ ان حضرات کے حالات کے لئے روض الازہر، فصول مسعودیہ اور اذکار ابرار ملاحظہ ہوں۔

شیخ مجتبیٰ لاہر پوریؒ (عرف شاہ مُجّا قلندر)

(۱۰۲۱ھ — ۱۰۸۴ھ)

مؤلف نزھۃ الخواطر لکھتے ہیں:

شیخ صالح مجتبیٰ بن مصطفی بن امین بن عبدالرحمن معروف. به مجاقلندر عباسی لاہرپور ی، مردان علم ومعرفت میں تھے[۱]۔

شیخ مجا قصبہ لاہر پور میں ۱۰۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی[۲]۔ قاضی عبدالقادر فاروقی لکھنوی سے حصول علم فرمایا پھر جونپور جا کر شیخ عبدالقدوس جونپوری کے یہاں طریقت کے مراحل طے کئے اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے[۳]۔ اور ان کے خلفاء کبار میں شمار کئے گئے[۴]۔

اساتذہ:

آپ کے استاد قاضی عبدالقادر فاروقی لکھنوی اپنے عہد کے بڑے علماء و اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ آپ کے شاگردوں میں شاہ پیر محمد لکھنوی، سید حسن رسول نما اور ملا قطب الدین سہالوی جیسے باکمال افراد کے نام نظر آتے ہیں[۵]۔

---

(۱) نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۲ (۲) فیوض العارفین ص ۴ (۳) نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۲
(۴) فیوض ص ۴ (۵) اذکار ابرار ص ۱۴۲۔ بحر زخار میں ان کے تفصیلی حالات درج ہیں

شیخ سے تعلق:

شاہ مجا قلندر اپنے شیخ شاہ عبدالقدوس جونپوری سے استفادہ کے بعد لاہرپور واپس تشریف لائے اور افادۂ خلق میں مشغول ہو گئے۔ شاہ مجا اپنے شیخ کے محبوب تھے۔ جب پہلی بار اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچے تو شیخ عبدالقدوس بار بار ٹہلتے اور فرماتے کہ بند گی میاں (امام عبدالرحمٰن جانباز قلندر) کا پوتا اپنے دادا کی نعمت لینے آیا ہے۔ جب آپ پہنچے تو وہ ٹہل رہے تھے، آتے ہی قدم بوسی کی، شیخ نے بہت شفقت فرمائی ۔ یہ اٹھارہ روز خدمت میں رہے، بیعت کی اور سلاسل قلندریہ، قادریہ وچشتیہ کی تعلیم لی۔ ذکر میں بڑی محنت کی جس کی وجہ سے خون کی قے ہو گئی مگر اسی روز سے سِل کا مرض جو آپ کو مدت سے تھا جاتا رہا۔

شاہ مجا اپنے شیخ کی خدمت میں اور بھی کئی بار گئے۔ آخر عمر میں جو بھی شخص آپ کے شیخ کی خدمت میں جاتا شیخ اس سے فرماتے:

مجتبیٰ لاهرپوری کے پاس جاؤ، میں
اب بوڑھا ہو گیاہوں اور وہ ابھی جوان ہے۔

آخری بار جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے فرمایا کہ مجھ کو کیمیا کا نسخہ معلوم ہے تم بھی اطمئنان قلب کے لیے سیکھ لو، ضرورت پڑنے پر کام دے گا۔ اس پر عرض کیا کہ جو حقیقی کیمیا تھا وہ آپ نے مجھ کو بتادیا اب مجھے کسی اور کیمیا کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مجامیاں! تم مجھ سے بھی بڑھ گئے۔ میں نے سیکھا مگر بنایا نہیں، تم سیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ آپ کو رخصت کرتے ہوئے شیخ نے اپنی آستین جھاڑ دی تھی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ تم میرے آخری خلیفہ ہو۔ پھر شاہ مجا لاہرپور آئے اور آبادی سے باہر ایک مختصر مکان بنا کر اس میں رہنے لگے۔ ریاضت

اور مجاہدہ کے علاوہ کثرت ذکر سے ایسی حرارت محسوس کرتے کہ سخت سردی میں شبنم سے تر چبوترہ پر ننگے پیر ٹہلا کرتے۔ آپ کے خادم اور خلیفہ قاضی مینا قلندر مہونویؒ کے اصرار پر کبھی اندر تشریف لیجاتے۔ پھر جب ذکر کی گرمی سے بے تاب ہو جاتے تو دوبارہ آکر ٹہلنے لگتے تھے[1]۔

آپ سے کرامات کا صدور ہوتا رہتا، ان میں سے کئی کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بار تین طالب علم آئے انہیں پان کا بیڑہ، لڈو اور گلاب کی خواہش تھی مگر ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔ آکر بیٹھے تو ایک مہاجن پان کا بیڑہ اور لڈو لایا۔ فصل نہ تھی مگر آپ نے باغبان سے گلاب کے پھول منگوائے۔ اس نے جا کر دیکھا تو باغ میں گلاب کے شاداب پھول کھلے تھے توڑ کر لایا۔ آپ نے تینوں طالب علموں کو یہ چیزیں دیدیں[2]۔

استغراق:

شاہ مجا آخر عمر میں اکثر حالت استغراق میں رہتے تھے، کئی کئی دن تک بے خودی رہتی، کھانا اور قضائے حاجت کو جانا سب کچھ بند ہو جاتا۔ آپ کے طویل استغراق سے مریدین فکر مند ہوتے تو قاضی مینا قلندر سے عرض کرتے۔ وہ جا کر کان میں کہتے ''حضرت ذوق ہے ذوق۔ آپ فرماتے کہاں ذوق ہے کہاں شوق۔ وہ پھر عرض کرتے کہ تین دن سے آپ نے نہ کچھ کھایا ہے نہ ضرورت کو تشریف لے گئے ہیں، نہ نماز پڑھی ہے۔ نماز کا نام سنتے ہی ہوش میں آجاتے۔ ضرورت سے فارغ ہو کر قضا نمازوں کو ادا کرتے تھے[3]۔

شاہ مجا نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ مناقب الخلفاء (خاندانی

---

(۱) اذکار ابرار ص ۱۴۲ (۲) فصول مسعودیہ ص ۶۳ (۳) اذکار ابرار ص ۱۴۸

بزرگوں کے حالات میں)۔ حجۃ العارفین۔ انیس العاشقین (اشغال قلندریہ کے بیان میں)۔ مکتوبات: مرتب کردہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی[1]۔

خلافت:

عہد شاہجہانی اور عہد عالمگیری کے کئی امراء نواب زکریا خان اوران کے بیٹے نواب یحیٰی خان، نواب سید عبدالمقتدر خان وغیرہ آپ کے مرید تھے[2]۔ آپ کے چالیس صاحب ارشاد خلیفہ ہوئے جن سے اس سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ چند نام یہ ہیں: شاہ عبدالرسول کچھندوی، قاضی معین الدین (قاضی بینا) قلندر مہونوی، شاہ عاشق قلندر، سید دانیال ہرگامی، سید بہاءالدین برادر خورد ملا محمود جونپوری وغیرہ[3]۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ اور جانشین شاہ فتح قلندر جونپوری ہوئے جن سے شاہ مجا قلندرؒ کے بھتیجہ شاہ اللہدیہ احمد قلندر لاہرپوری کو خلافت اور جانشینی حاصل ہوئی۔

شاہ مجا قلندر کا انتقال ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۸۴ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں ہوا۔ مزار لاہرپور ضلع سیتاپور میں ہے[4]۔

---

(۱) اذ کار ابرار ص ۱۴۹ (۲) ایضاً ۱۵۵ (۳) ایضاً ۱۵۴ (۴) نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۳۲

شیخ فتح قلندر جونپوریؒ

(۱۰۴۳ھ تقریبا ۱۱۱۸ھ)

آپ شاہ مجا قلندر جونپوریؒ کے خلیفہ اعظم تھے[1]۔ نسب نامہ چار پشتوں کے بعد مخدوم قطب الدین بینادل سے مل جاتا ہے جو اس طرح ہے:

فتح قلندر بن شاہ حسین بن شاہ مظفر
بن شاہ ملک بن شاہ محمود قطب بن شیخ
قطب الدین بینادل قلندر جونپوریؒ۔

بچپن سے شاہ عبدالقدوس قلندر جونپوری (وفات ۱۰۵۲ھ) کی خدمت میں علن پور جونپور میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی اور جونپور جا کر درسی کتابیں پڑھیں[2]۔ حضرت شاہ عبدالقدوس نے خاص طور پر آپ کی تربیت میں حصہ لیا۔ ان کے انتقال کے بعد انہیں کی وصیت کے مطابق شاہ مجتبیٰ قلندر کی خدمت میں حاضر ہو کر تربیتی مراحل طے کئے۔ تعلیم اور تلقین اذکار کے بعد آپ کو بقیہ کتب معقول و منقول پڑھنے کے لیے آپ کے شیخ شاہ مجا نے بطور خاص حکم دیکر شاہ عبدالرسول کچھندوی کے پاس روانہ فرمایا جہاں رہ کر آپ نے اپنی تعلیم مکمل فرمائی۔

---

(۱) فیوض ص ۴۴ (۲) فصول مسعودیہ ص ۶۵ ۔ اتحاف ص ۲۲۴

اپنے شیخ کے خلفاء میں آپ سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ حصول اجازت وخلافت کے بعد کچھ عرصہ علن پور میں قیام فرمایا لیکن حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہاں سے ہٹ گئے اور جنگل میں بود وباش اختیار کی۔ کچھ دنوں میں وہی جگہ آباد ہو کر قلندر پور کے نام سے ایک بستی ہو گئی[1]۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے وہاں سے بھی عزم سفر فرما کر نظام آباد ضلع اعظم گڑھ میں قلندر پور کے نام سے ایک اور ویرانہ آباد کیا۔

غلبۂ حال:

شیخ فتح قلندرؒ سے کرامتوں کا ظہور بہت زیادہ ہوا۔ عبادت میں بڑا مجاہدہ کرتے، جذب اور غلبۂ حال طاری رہتا۔ ایک مرتبہ اسی غلبہ حال میں آپ سے ترک نماز ہو گئی تو خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ باوجود غلبۂ حال، خیال شریعت چاہئے۔ اِسی روز سے آپ نے ایسی پابندی فرمائی کہ مرضِ وصال میں بھی کسی وقت کی نماز قضا نہ ہوئی[2]۔

ایک بار سفر دکن میں عالمگیر کے ساتھ تھے۔ سرطان کی وبا پھیلی، آپ نے دعا پڑھی، نقاروں کی چوب پر دم کروایا پھر ان کو بجایا گیا جہاں تک آواز پہنچی وہاں سے وبا دفع ہو گئی[3]۔

شہزادہ داراشکوہ کو بھی آپ سے خلوص واعتقاد تھا۔ اس نے ایک بڑی جاگیر کا پروانۂ معافی نذر کیا۔ قبول نہ کرتے تھے، آخر کار اس کی طرف سے اصرار اور اپنے صاحبزادہ شاہ پیر محمد قلندر کی عرض معروض کے بعد قبول فرمایا[4]۔

کرامت کے ذریعہ اصل مقصود کی طرف توجہ دہانی:

ایک دفعہ کچھ مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کو کیمیا معلوم ہے

---

(۱) اتحاف ص۲۲۹ (۲) فصول ص۶۶۔ اتحاف ص۲۳۴ (۳) اذکار ابرار ص۲۳۸ (۴) ایضاً ۲۴۰

ہم کو بھی بتادیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ رانگہ گرم کرکے اس پر بیگن کے پتوں کا عرق ڈال دو چاندی بن جائے گی۔ چنانچہ اس وقت تو چاندی بن گئی مگر بعد میں جو دوبارہ کوشش کی گئی تو کچھ نہ بنا۔ آپ سے عرض کیا گیا تو فرمایا: کیا مفت میں اوقات ضائع کرتے ہو۔ اپنے وجود کی کیمیا بناؤ، یعنی فقر حقیقی حاصل کرو تو بہتر ہے:۔

کیمیا و سیمیاؤ ریمیا — ایں نباشد جزبذات اولیاء[1]

ایک صاحبزادی کے علاوہ چار صاحبزادے ہوئے شاہ بہاء اللہ، شاہ پیر محمد، محمد واصل، علیم اللہ ان چاروں صاحبزادوں نے آپ سے خلافت پائی۔ ان کے علاوہ چار ہزار کے قریب صاحب نسبت و کرامت مرید ہوئے۔ الہ آباد، خیر آباد، اعظم گڑھ، مراد آباد وغیرہ کے علاوہ بہار میں بھی آپ کے خلفاء نے رشد وہدایت کا بازار گرم رکھا اور قلندری سلسلہ کی اشاعت کی[2]۔ قاضی عبدالرحمن عارف شرحی قلندر کمال پوری نے (جو ملا محمود جونپوری کے شاگردوں میں اور صاحب فضل و کمال بزرگ تھے) طریقت کی تعلیم شاہ فتح قلندر ہی سے حاصل کی[3]۔ آپ کے خلیفۂ خاص شاہ اللّٰہدیہ احمد قلندر لاہرپوری سے قلندری سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

شاہ فتح قلندرؒ کا انتقال ۲۲ شعبان ۱۱۱۸ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار قلندر پور تحصیل نظام آباد ضلع اعظم گڑھ میں ہے۔ مزار کے سرہانے بڑا چراغ دان ہے جس میں یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم روح وریحان

وجنة نعیم یا ایتھا النفس ارجعی

قلندر پور کا یہ موضع آپ ہی کی صلبی اولاد سے آباد ہے[4]۔

---

(۱) اتحاف ص ۲۳۵ (۲) ایضاً ص ۲۴۹ (۳) نزھۃ ج ۶ ص ۱۴۶ (۴) اتحاف ص ۲۴۷

شیخ اللّٰہدیہ احمد قلندر لاہر پوریؒ

اصل نام علاء الدین ہے لیکن شاہ اللّٰہدیہ (اللہ دیہ) احمد قلندر لاہر پوری کے نام سے شہرت ملی۔ آپ شاہ مجا قلندر لاہر پوری کے بھتیجے تھے، اس طرح کہ آپ کے والد گرامی شاہ یسین بن شیخ مصطفیٰ، شاہ مجا قلندر کے برادر خورد تھے۔

کمالِ معرفت:

شاہ اللّٰہدیہ نے شاہ فتح قلندرؒ سے بیعت کی، انہیں سے سلوک میں تربیت حاصل کرنے کے بعد اجازت وخلافت ملی اور اپنے شیخ کے جانشین ہوئے۔ امیر خدا بخش فرماتے تھے کہ جیسا میں نے جنیدؒ وشبلیؒ کو سنا تھا ویسا ہی آپ کو دیکھا اور پایا۔

حضرت شاہ اللّٰہدیہؒ کے ایک ممتاز خلیفہ شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک ذکر کے رکن میں شک ہوا، خیال آیا کہ اگر پیرومرشد قلندر برحق ہیں تو مجھ کو بلاکر خود بتاکر میرا شک رفع کر دیں گے۔ اس زمانہ میں شیخ کو باوجود اس کے کہ بواسیر کی وجہ سے سخت تکلیف تھی مگر مجھے جیسے ہی خیال آیا ایک آدمی کو بھیج کر مجھے طلب فرمایا۔

ہم حاضر ہوئے تو آپ اس وقت وہی ذکر کررہے تھے جس میں مجھ کو شک تھا، دیکھتے ہی جاتا رہا[1]۔

لباس:

شیخ اللہدیہ کے یہاں جامہ ونیمہ و دستار استعمال کرنے کا معمول تھا۔ دستار کبھی سفید اور کبھی سیاہ ہوتی تھی۔ آپ کے پوتے شاہ عبداللطیف قلندر (جو آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری کے بھتیجہ اور خلیفہ تھے) کے زمانہ تک یہی لباس قلندری بزرگوں کے یہاں استعمال کیا جاتا رہا[2]۔

تصنیفات:

شاہ اللہدیہ فاضل اجل اور نہایت متبع شریعت بزرگ تھے۔ آپ کی تالیفات میں مرأۃ القلندریہ اور اسرار احمدی یادگار ہیں۔ پہلی کتاب کی شرح آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالرحمٰن ثانی نے مصقلۃ الاولیاء کے نام سے لکھی اور دوسری کتاب (جس میں چند احادیث نبویہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ و التحیۃ) کے حقائق و معارف بیان کئے ہیں) کی شرح آپ کے ایک اور خلیفہ سید اللہدیہ ہرگامی نے لکھی[3]۔

صاحبزادگان:

آپ کے تین صاحبزادے ہوئے۔

۱۔ شاہ عبدالرحمٰن ثانی لہرپوری یہ خلیفہ اور جانشین ہوئے

۲۔ شاہ امین الدین قلندر درویش کامل تھے مگر ان کے حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

---

(۱) فصول ص ۷۰ (۲) اتحاف ص ۱۰۳ (۳) اذکار ص ۲۷۰

۳۔ شاہ مجتبیٰ قلندریہ بھی درویش کامل اور تصوف کے نکات بیان کرنے میں یکتائے روزگار تھے۔ ان سے شاہ محبوب انور (بن شاہ عاشق انور قلندر خیر آبادی) کو خلافت ملی۔ شاہ مجتبیٰ کا مزار تکیہ جعفرپور، صدرپور میں ہے، مزید حالات دریافت نہ ہو سکے[1]۔

مختلف اسفار اور انتقال:

شاہ اللّٰہدیہؒ نے الہ آباد اور دہلی کئی جگہ کے سفر کئے۔ الہ آباد تشریف لے گئے تو سید خاصہ کی سرائے میں ٹھہرے۔ شاہ محمد ماہ قلندر ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ تک دائرہ شاہ غلام محی الدین سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ دہلی کے سفر میں شاہ فرخ سیر نے کئی بار حاضری دی۔ ایک بار مراقب تھے، بادشاہ حاضر ہوا، خدام نے خبر دی تو مکدر ہو کر فرمایا کہ ''میں بھی عجب شامتی ہوں جو تمہاری ملاقات کو آیا۔ کیونکہ میرے کوئی بزرگ خاص طور پر کسی بادشاہ سے ملنے نہیں گئے[2]۔ دوسری بار دہلی کا سفر کیا تو واپس ہوتے ہوئے فرید آباد میں ۲۲/ ذی الحجہ ۱۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ نعش کو لاہرپور لاکر شاہ مجا قلندر لاہرپوریؒ کے مزار کے قریب دفن کر دیا گیا۔

صاحبزادگان میں سے شاہ عبدالرحمٰن ثانی لہرپوری آپ کے جانشین ہوئے ان کے حالات آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ مزید خلفاء کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی دم گڑھ الہ آباد میں ۱۱۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔ دور آخر میں قلندری سلسلہ کا سب سے بڑا مرکز خانقاہ کاظمیہ کاکوری آپ ہی کے فیض اور تاثیر کا نتیجہ ہے جس کا مختصر تعارف ہم اس کے بعد کرائیں گے۔

---

(۱) اتحاف ص ۲۷۲ (۲) اذکار ابرار ص ۲۷۱

(۲) شاہ عاشق انور خیر آبادی (۳) ملا سید عصمت اللہ ہر گامی[۱]۔ (۴) قاضی مبارک گوپامئوی (۵) شاہ عزت اللہ بہاری (نواسہ حضرت شاہ شرف الدین یحی منیریؒ (۶) ملا نظام الدین دیوی (۷) شاہ ولی اللہ (از فرزندان خواجہ باقی باللہ دہلویؒ) (۸) عبد الغفور الہ آبادی (۹) شاہ محمد حسن قدوائی، (۱۰) شاہ محمد ظریف قدوائی (۱۱) شیر علی کنتوری (۱۲) شاہ عزیز اللہ دہلوی (۱۳) اکرام اللہ بھاگلپوری[۲]۔ (۱۴) میر سید احمد عرف سید اللہ ہدیہ ہر گامی[۳]۔

---

(۱) فصول مسعودیہ ص ۷۳۔ اتحاف ص ۲۷۶ (۲) مصقلۃ الاولیاء ص ۲۔ فصول ص ۷۳

(۳) نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۵

خانقاہ کاظمیہ کاکوری[1]

حضرت شاہ اللہدیہ قلندر لاہرپوری کے عظیم المرتبت خلیفہ حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی اپنے عارفانہ مقام اور علمی و دینی خصوصیات کی وجہ سے قلندری سلسلہ کی تاریخ میں ماہ تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے دور و قریب کے لوگوں نے بڑا فیض پایا لیکن کاکوری کا ایک طائر بلند اقبال اور اپنے وقت میں علم و عرفان کا ایک شہباز ان کی خانقاہ میں ایسا آیا جو عہد آخر میں قلندری نسبت کا گل سر سبد ثابت ہوا۔ میری مراد حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کاکوروی سے ہے جنہوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی سے یہ نسبت حاصل کی اور کاکوری میں خانقاہ کاظمیہ کی داغ بیل ڈالی۔ دو تین صدیوں سے قلندری سلسلہ کا یہ سب سے بڑا مرکز ہے جہاں علم و عرفان، شریعت و طریقت، درس و مراقبہ اور دعا و دعوت یکجا نظر آتے ہیں۔ خانقاہ کاظمیہ کے عالی مرتبہ سجادگان کی خدمات اور اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ایک مفصل کتاب درکار ہوگی تاہم تذکرہ مشاہیر کاکوری، النفحات العنبریہ

---

(۱) باب اول ''تحریک شاہ ولی اللہ دہلوی سے قلندری بزرگوں کا تعلق''۔ اور ''تحریک ندوۃ العلماء سے قلندری بزرگوں کے روابط'' میں خانقاہ کاظمیہ ہی کے بزرگوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

من انفاس القلندریہ (اس کا پہلا ایڈیشن اتحاف الاخیار اور دوسرا ایڈیشن اذکار الابرار) کے مطالعہ سے ان کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ خانقاہ کاظمیہ کے تفصیلی کارناموں اور خدمات کا تذکرہ دیکھنا ہو تو مذکورہ بالا کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں ناموں کی حد تک ایک فہرست دی جا رہی ہے جس سے ان کا حق تو کیا ادا ہو گا البتہ ایک خاکہ سامنے آجائے گا۔ شجرہ نسبی قرابت کے اعتبار سے ہے ورنہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کو کئی کئی جگہوں سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی ہے۔

بانی خانقاہ کاظمیہ: حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کاکورویؒ (ولادت ۱۱۵۸ھ وفات ۱۲۲۱ھ)

- شاہ تراب علی قلندرؒ (۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء)
  - شاہ حیدر علی قلندر (۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء)
    - شاہ علی اکبر قلندر (۱۳۱۴ھ)
      - شاہ علی انور قلندر (۱۳۲۴ھ / ۱۲۶۹ھ / ۱۹۰۶ء)
      - شاہ علی احمد عرف حبیب حیدر قلندر (۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء)
      - شاہ تقی حیدر قلندر (۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء)
        - مصطفیٰ حیدر قلندر
        - مجتبیٰ حیدر قلندر (ولادت ۱۹۲۵ء)
      - شاہ علی حیدر قلندر (۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء)
  - شاہ تقی علی قلندر (۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)

آخر الذکر بزرگ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر سے مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے[۱]۔ صاحب علم، متبع شریعت، خلیق، متواضع اور صاحب نسبت

(۱) یہ ملاقات ۱۴/۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو کاکوری، خانقاہ کاظمیہ میں ہوئی۔

بزرگ ہیں۔ اکرام اور تواضع سے پیش آئے، قلندری نسبت، ذکر کے مختلف طریقوں اور بزرگان قلندریہ کے حالات اور سوانح پر اور ان کے خاندانی اکابر کے بارہ میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمات کے قدرداں اور ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ میرے والدِ محترم مولانا حافظ مفتی محمد ریاست علی خاں صاحب کوٹی (جو اس وقت جامعہ امدادالعلوم زیدپور ضلع بارہ بنکی میں شیخ الحدیث تھے) کا بھی تذکرہ فرمایا۔ حضرت والد صاحب کو آپ نے روض الازہر کا ایک نسخہ تلاش بسیار کے بعد ہدیہ کے طور پر پیش فرمایا تھا اس کا تذکرہ اور والد صاحب کے بارہ میں گفتگو فرماتے رہے۔ مجھے بھی کئی کتابیں عنایت فرمائیں جن سے اس کتاب کی تالیف میں کئی جگہ مدد ملی، فجزاھم اللہ تعالیٰ خیراً۔

شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری قلندرؒ

(۱۱۱۷ھ ——— ۱۱۹۹ھ)

یہ حضرت شاہ اللّٰہدیہ احمد قلندر لاہرپوریؒ کے بڑے صاحبزادہ، خلیفہ اور جانشین ہیں۔ ان سے پہلے اسی لاہرپور میں ان کے ہم نام ایک بزرگ شیخ عبدالرحمٰن جانباز قلندر لاہرپوریؒ گزر چکے ہیں جن کی وفات ۹۷۶ھ میں ایک سو پندرہ سال کی عمر میں ہوئی ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن جانباز قلندر لاھرپوری بڑے صاحب کشف اور صاحب علم بزرگ تھے انھوں نے شاہ عبدالسلام قلندر جونپوری سے خلافت پائی[1]۔ سکندر لودھی نے ان سے استفادہ کیا اور ھمایون نے ایک عرصہ تک آپ ھی کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں[2]۔

لاہرپور کے مذکورہ بالا ہم نام اور نامور پیش رو کی وجہ سے حضرت شاہ اللّٰہدیہؒ کے صاحبزادہ کو شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری کہا جاتا ہے۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۷۸ (۲) اتحاف ص ۱۲۰

عہد:

شاہ عبدالرحمن ثانی لاہرپوری کازمانہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ بعمر ۶۲ سال) اور مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۵ھ بعمر ۸۵ سال) کادور تھا۔ اودھ کی راجدھانی، فیض آباد میں تھی جو مغل تاجدار کی ماتحتی میں تھا۔ شاہ عبدالرحمن ثانی کا ابھی شباب تھا کہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۷ء میں منصور علی خاں صفدر جنگ گورنر اودھ ہوا تو اس نے جلد ہی مغل حکومت سے الگ ہو کر خود مختاری کا اعلان کر دیا اور یہ ریاست شیعوں کے تسلط میں آ گئی۔ الہ آباد اس وقت تک اودھ میں شامل تھا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ (۱۱۶۷ھ / ۱۱۸۸ھ) نے اس شیعہ ریاست کی باگ ڈور سنبھالی اور اس کے جانشین آصف الدولہ (۱۲۸۸ھ / ۱۲۱۲ھ) نے ۱۱۸۸ھ میں فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو بسا کر اسے اپنی راجدھانی بنایا۔

سجادہ نشینی:

شاہ عبدالرحمن ثانی ۱۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے، سات برس کی عمر سے آپ نے تحصیل علم کا آغاز کیا۔ آخر کار جملہ علوم میں کمال کو پہنچے اور اپنے گرامی قدر والد معظم اور دوسرے بزرگوں کی زیر نگرانی تربیت پائی[۱]۔ وہ اپنے والد گرامی کے کمالات کا نمونہ تھے ان کے انتقال (۱۱۴۷ھ) پر سجادہ نشیں ہوئے اور مسلسل اکیاون برس تک سجادۂ آبائی کو رونق بخشی اور بڑی تعداد میں خلق خدا کو اپنے باطنی فیض سے مستفید فرمایا۔ اکثر علماء و فضلاء زمانہ آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ حقائق و معارف بیان کرنے میں اپنے والد گرامی کے چچا حضرت شاہ مجا قلندر کی نظیر تھے [۲]۔

---

(۱) فیوض العارفین ص ۷۹ (۲) اتحاف الاخیار ص ۲۷۷

پیر بھائی:

آپ کے پیر بھائی حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی (جن سے یہ نسبت کا کوری منتقل ہوئی) آپ کا بڑا لحاظ کرتے۔ وہ اپنے شیخ زادہ شاہ عبدالرحمٰن ثانی کو الہ آباد لے گئے اور ایک سال تک ان کو اپنے پاس الہ آباد ہی میں ٹھہرایا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صبح کو اپنے دولت خانہ سے تشریف لا کر اولاً شاہ عبدالرحمٰن ثانی کو سلام کرتے اور ''قلندر صاحب'' کہکر مخاطب کرتے۔ انھوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ اور جانشین شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی، اپنی اہلیہ بی بی صاحبہ، اپنی دو صاحبزادیوں، بھتیجی اور داماد شاہ مظفر علی قلندر کو آپ سے بیعت کروایا[1]۔

تصنیف:

حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے مرید بیعت شاہ مسعود علی الہ آبادی (صاحبزادہ و جانشین حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی) ہی کی خاطر ''مصقلۃ الاولیاء فی شرح مرأۃ القلندریہ'' تصنیف کی۔ اس کے علاوہ ایک دوسری تصنیف ''شہود المقربین'' میر مخدوم بخش جوراسی کے لیے تصنیف فرمائی[2]۔ میر بخش، شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ کے حضور میں بڑے مقبول تھے[3]۔

لباس:

اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ شاہ مجا قلندرؒ نے جامہ ونیمہ و دستار کو اختیار فرمایا تھا۔ دستار کبھی سفید اور کبھی سیاہ ہوتی، شاہ اللّٰہدیہؒ کے پوتے شاہ عبداللطیف قلندر (جو شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے بھتیجہ ہونے کے علاوہ آپ کے خلیفہ بھی ہیں) تک یہی لباس رہا۔

---

(۱) فصول ص ۱۳۔ اتحاف ص ۲۷۷ (۲) ایضاً ص ۲۷۸ (۳) ایضاً ص ۲۸۴

شاہ عبدالرحمن ثانی لاہرپوریؒ نے البتہ اتنا تغیر فرما دیا تھا کہ کبھی قمیص آستین کے بغیر یعنی کفنی یا الفی پہنی اور کبھی قمیص فراخ آستین والی مگر دستار ان کی بھی ہمیشہ سفید رہی[1]۔

اولاد:

آپ کی صلبی یادگار صاحبزادۂ گرامی سلطان مہدی قلندر تھے جو اپنے والد کے قدم بقدم تھے اور اپنے والد گرامی کے انتقال کے بعد سجادۂ آبائی اور مسند ارشاد انہیں کے سپرد ہوئی۔ ان کے سلسلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وفات:

شاہ عبدالرحمن ثانی نے بیاسی برس کی عمر پائی ۲۵ محرم بروز جمعرات ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۶ء تقریباً) میں وفات پائی۔ مولوی شریف الدین کاکوروی نے تاریخ وفات اس طرح نکالی ہے:

چوں عبد فنا شدہ برحمٰن

گفتم هواستوی علی العرش

۱۱۹۹ھ

مزار شاہ مجا قلندر کے روضہ اور مسجد کے درمیان لاہرپور میں ہے۔

خلفاء:

شاہ عبدالرحمن ثانی کے خلفاء کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ شاہ مسعود علی قلندرؒ الہ آبادی: یہ حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی کے صاحبزادہ اور جانشین ہیں۔ اپنے والد گرامی کے حکم

---

(۱) اتحاف ص ۱۰۳

پر حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی سے بیعت ہوئے اور پھر اجازت وخلافت پائی۔ ان کو اپنے والد گرامی سے بھی نعمت خلافت اور جانشینی ملی۔ شاہ مسعود کا دستور تھا کہ قلندری سلسلہ میں تو شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے واسطہ سے بیعت کرتے اور دوسرے سلاسل میں اپنے والد گرامی کے واسطے سے بیعت فرمایا کرتے۔ شاہ عبدالرحمٰن ثانی نے آپ ہی کے پاس خاطر کے لیے مصقلۃ الاولیاء تحریر فرمائی تھی۔

شاہ مسعود نے پچیس برس تک خلق خدا کو ظاہری وباطنی فیض پہنچایا۔ ۲۵/ جمادی الاولیٰ بروز دوشنبہ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی اور اپنے والد کے پائیں، الہ آباد میں دفن ہوئے۔ آپ کے کئی نامور خلفاء ہوئے جن میں شاہ علی مظہر قلندرؒ (۱۲۶۹ھ) اور شاہ تراب علی قلندرؒ کاکوروی (۱۲۷۵ھ) زیادہ نمایاں تھے۔ شاہ تراب علی قلندر کے بڑے صاحبزادہ شاہ حیدر علی قلندر (۱۲۸۴ھ) کو اپنے والد گرامی کے علاوہ شاہ علی مظہر قلندرؒ سے بھی خلافت حاصل تھی۔ اس طرح کاکوری کا خانوادۂ ولایت شاہ مسعود علی الہ آبادی کے واسطے سے شاہ عبدالرحمٰن ثانی کی نسبت کا بھی حامل رہا ہے۔

۲۔ شاہ سلطان مہدی قلندرؒ: شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوریؒ کے صاحبزادہ، خلیفہ اور جانشین ہیں۔ علوم ومعارف میں اپنے والد کے قدم بقدم تھے۔ لاہرپور ہی میں (۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء) میں انتقال ہوا۔ ان کے خلفاء میں شیخ رکن الدین، شیخ غلام پیر، ساکنان نگو ضلع جونپور، شاہ مظفر علی (نبیرہ شاہ محمد وارث قلندر) اور خود شاہ سلطان مہدی قلندر کے صاحبزادہ شام غلام حیدر قلندر ہیں۔ شاہ

غلام حیدر سے شاہ عبدالرحمٰن ثالث لاہرپوری (۱۲۸۷ھ) کو جو ''حاجی میاں'' کے نام سے مشہور تھے خلافت ملی اور حاجی میاں کے خلیفہ شاہ حبیب انور قلندر خیرآبادی ہوئے۔

۳۔ شاہ عبداللہ قلندرؒ (۱۲۲۴ھ) یہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے بھتیجہ بھی ہیں اور خلیفہ بھی۔ ان سے شاہ تراب علی کاکوروی، شاہ خدابخش (بن شاہ باسط علی الہ آبادیؒ)، شاہ علی مظہر الہ آبادی، شیخ غلام اولیاء ساکن دیوہ اور شیخ غلام امام ساکن بسواں وغیرہ کو خلافت ملی۔

۴۔ شاہ عبداللطیفؒ: آپ بھی شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے بھتیجہ اور خلیفہ ہیں۔ حاجی میاں یعنی شاہ عبدالرحمٰن ثالث لاہرپوری، شاہ کبیر انور خیرآبادی وغیرہ کو آپ سے خلافت ملی۔ شاہ عبداللطیف نے لاہرپور میں ۱۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

۵۔ میر مخدوم بخش جورائیؒ: آپ شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے خلیفہ ہی نہ تھے بلکہ ان کے حضور میں بڑے مقبول بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک بار شاہ مسعود قلندر الہ آبادی کو یہ لکھا کہ:

> اگر مجھ سے ملاقات نہ ہوسکے تو میر مخدوم بخش سے تحقیق کرنا. میرے نزدیک حقائق ومعارف الٰہیہ کا سمجھانے والا اس وقت ان سے بھتر کوئی نہیں ہے[1]۔

۶۔ شاہ غلام بندگی قدوائی عرف کرم شاہؒ: قصبہ مسولی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے اور سپاہی پیشہ تھے، پھر طلب حق میں سپاہ گری

(۱) مصقلۃ الاولیاء ص ۵۔ اتحاف ص ۲۸۴

چھوڑ کر شاہ عبدالرحمٰن ثانیؒ سے بیعت ہوئے اور فیض باطنی کے حصول میں تگ و دو شروع کردی۔ صاحب کرامت بزرگ تھے، اکثر لوگوں نے دیکھا کہ دریائے سرجو کو آپ عبور کر جاتے تھے اور پانی پنڈلیوں سے اوپر نہ ہوتا تھا۔ کسی سے نذر و نیاز نہ لیتے۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے[1]۔

۷۔ سید محمد حامد ہرگامیؒ بن سید عصمت اللہ: صاحب علم و تصنیف بزرگ تھے۔ تصوف میں "یقظة النائمین[2]" اور دوسری کتابیں لکھیں۔ عربی اور فارسی میں قصائد بھی کہے۔ ۱۲۴۱ھ میں انتقال ہوا۔

۸۔ شاہ فضل قلندر خیرآبادی: مزار لاہرپور میں ہے، شاہ اسرار

---

(۱) اتحاف ص ۲۸۵ (۲) اتحاف العنبر یہ من انفاس القلندریہ مؤلفہ مولوی محمد تقی حیدر قلندر کے پہلے ایڈیشن موسوم بہ اسم تاریخی اتحاف الاخیار سنہ تالیف ۱۳۳۱ھ حقیقت پریس لکھنؤ ص ۲۷۸ کے حاشیہ میں اس کے مصنف کے تعلق سے یہ عبارت درج ہے: "ولادت آپ کی ماہ صفر ۱۱۶۸ھ میں ہوئی۔ تلمذ آپ کو اپنے والد سے تھا۔ بعد وفات ان کے مولوی غلام امام خیرآبادی و مولوی ولی صاحب لکھنوی سے پڑھا۔ آپ کی تصنیف سے رسالہ مختصرہ درعلم توصیف و یقظة النائمین تصوف میں اور قصائد وغیرہ عربی و فارسی میں ہیں اور بیعت و اجازت و خلافت حضرت حجة العارفین (مراد: شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہرپوری) سے تھی۔ وفات آپ کی ۸/ذی الحجہ بروز جمعہ ۱۲۴۱ھ میں ہوئی۔ مزار احاطہ درگاہ حضرت سید العرفاء (مراد: شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجا قلندر لاہرپوری، اتحاف الاخیار ص ۱۵۱۔ م ۱۰۴۸ھ روضہ لاہرپور ضلع سیتاپور: ص ۱۶۴) میں ہے"۔ لیکن پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کی تحقیق کے مطابق "یہ شاہ حامد ہرگامیؒ [ف ۱۱۱۸ھ] بن شاہ عیسیٰ ہرگامیؒ کی تصنیف ہے وہ شاہ محمدی فیاضؒ چشتی [ف ۳/رجب ۱۱۰۷ھ مدفن آگرہ، خلیفہ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ ف: ۹/رجب ۱۰۸۵ھ مدفن الہ آباد] کے چھوٹے بھائی ہیں۔ شاہ محمدی فیاضؒ کی کوئی تصنیف نہیں ہے مگر وہ مسائل تصوف خصوصاً وحدت الوجود کے موضوع پر اپنی مجلس میں جو کچھ زبانی ارشاد فرماتے تھے وہ ان کے بھائی شاہ حامدؒ نے قلمبند کیا اور اس کا نام یقظة النائمین رکھا، اپنے انتقال سے سات سال قبل انہوں نے یہ رسالہ اپنے فرزند اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے ممتاز بزرگ شاہ عضدالدین چشتی [ف ۲۷/رجب ۱۱۷۲ھ مدفن: امروہہ] کو دیا۔

قلندر کو آپ سے خلافت ملی۔

۹۔ شاہ رحم قلندر ساکن پہانیؒ: آپ سے سید غلام حسین ساکن پہانی کو خلافت ملی۔

۱۰،۱۱۔ سید فضلؒ علی ہر گامی، سید مبارکؒ ہر گامی: یہ دونوں حضرات بھی حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانیؒ کے خلیفہ تھے مگر ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے[۱]۔

۱۲۔ شاہ مظہر کل قلندرؒ کوٹی:

آپ بھی حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی لاہر پوریؒ کے خلیفہ ہیں[۲]۔ یہ دراصل شاہ مظہر کلؒ قلندر ہی کا ذکر خیر تھا جو قلندر نامہ کے لیے حسن آغاز

انھوں نے اسی رسالے کے بعض مباحث کو پھیلا کر ۱۱۲۴ھ میں مقاصد العارفین تصنیف کی۔ جس کا فارسی متن راقم الحروف نے اپنے مقدمہ کے ساتھ مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک (راجستھان) سے ۱۹۸۴ء میں شائع کرادیا تھا۔ نقطۃ الناعمین میں شاہ مجتبیٰ عرف مجا قلندرؒ [۱۰۸۴ھ] اور شاہ فتح قلندرؒ [ف ۱۱۱۸ھ] کا حوالہ بھی آیا ہے اور یہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس طرح سلسلۂ چشتیہ صابریہ ہادویہ میں شطاری نسبت حضرت نظام نارنولیؒ کی جانب سے منتقل ہوئی، اسی طرح قلندری نسبت دیار مشرق کے ان بزرگوں کی وساطت سے آئی۔ حضرت شاہ عضدالدینؒ کے ممتاز خلیفہ حضرت خواجہ شاہ عبدالہادی چشتیؒ [ف ۴ر رمضان ۱۱۹۰ھ] کی شخصیت میں شطاری اور قلندری دونوں نسبتوں کے رنگ بہت چوکھے نظر آتے ہیں۔ ان کی عمر ۱۰۶ سال ہوئی اور (۸۵) سال سے زیادہ مدت انھوں نے صحرا نشینی اور دشت نوردی میں گذاری۔ انتقال بھی ایک چھوٹے سے گاؤں کھائی کھیڑا (بریلی۔ پیلی بھیت روڈ) میں ہوا تھا وہاں سے ان کے فرزند شیخ ظہور اللہؒ اور پوتے حضرت شاہ عبدالباری چشتیؒ نے تابوت امروہہ کو منتقل کیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالہادیؒ تجرید و تفرید میں کامل تھے، دنیا میں جو کچھ مایحتاج بہ ہے انھوں نے وہ بھی تج دیا تھا۔ یہی ایک اچھے اور سچے قلندر کی پہچان ہے''۔

(۱۔۲) فصول مسعودیہ ص ۱۶۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانیؒ کے خلفا کی یہ تفصیلات فصول مسعودیہ، اتحاف الاخیار اور اذکار ابرار سے ماخوذ ہے۔

ثابت ہوا۔ ان کے تذکرہ سے پہلے یہ ضروری تھا کہ تفصیل کے ساتھ قلندری سلسلہ کا تعارف ہو۔ قلندری بزرگوں کے حالات اوران کے ملفوظات کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ نسبتوں کے درمیان قلندریہ سلسلہ کی خصوصیات کیا ہیں۔ تاریخ اسلامی میں قلندری بزرگوں کی خدمات اوراثرات کس قدر ہیں۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ حضرت مظہر کل شاہ قلندر کے سلسلہ کے بزرگان قلندر اوران کے شجرہ کے پیران سلسلہ کے حالات بھی منظر عام پر آجائیں تاکہ یہ کتاب قلندر کی کتاب زندگی کی ایسی داستان بن جائے جس سے مشائخ قلندریہ کا تعارف ہواور قلندری نسبت کارنگ اورانداز بھی سمجھ میں آجائے۔ قلندر کے بارہ میں لوگوں کے خیالات واضح نہیں۔ ناواقفیت کی وجہ سے قلندر کی اہمیت اور مقام سے بھی لوگ بے خبر ہیں اس کے بارہ میں طرح طرح سے خام خیالیوں کا جال بن دیا گیا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بانی سلسلہ قلندریہ حضرت شاہ عبدالعزیز علمبردار مکیؒ سے خلافت کا جو شجرہ ہم نے دیا ہے اس میں شاہ مظہر کل بارہویں نمبر پر ہیں اور شاہ عبدالرحمٰن ثانی کے خلفاء کی ہم نے جو فہرست دی ہے اس میں بھی شاہ مظہر کل کا نام حسن اتفاق سے بارہویں نمبر پر ہے اور شاہ مظہر کل نے جس جگہ (کوٹ فتح پور یوپی) کو اپنا وطن اقامت بنایا وہاں کوٹ برادری کے لوگ بارہ (۱۲) دیہاتوں میں آباد ہیں۔ بہر حال اب ورق الٹئے اوراگلے صفحات میں حضرت مظہر کل شاہؒ کے حالات کا مطالعہ کیجیے۔

شاہ مظہر کل قلندر کوٹیؒ

(۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۲ء - ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۷ء)

حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی لھرپوریؒ کے خلفاء میں حضرت مظھر کل شاہ قلندرؒ کوٹی بھی شامل ھیں[۱]۔ دوسرے قلندری بزرگوں کی طرح ان کے حالات بھی پردۂ خفا میں ھیں تاھم فصول مسعودیہ، اتحاف الاخیار، اذکارالابرار، آئینۂ اقوام اسلام اورکوٹ کی مقامی روایات، تکیہ مظھر کل شاہ کے کچھ کاغذات اور پھر اس عھد کے تاریخی حالات پر لکھی جانے والی کتابوں کی مدد سے جو کچھ حاصل ھوسکاھے وہ حاضر ھے. تفصیلی حالات اس لئے بھی ضروری ھیں تاکہ ایک قلندر کے حالات اورخیالات سے قلندری بزرگوں کی تصویر مزید واضح ھوجائے.

وطن:

شاہ صاحب کا اصل وطن افغانستان تھا وہاں کے معزز خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے[۲]۔ اس تعلق کی وجہ سے پشتو اور فارسی توان کی

(۱). فصول مسعودیہ فیض دوم ص ۱۶ (۲) اذکار ابرار ص ۱۸۸۔ اتحاف ص ۲۷۸

مادری زبانیں ہوئیں، ہندوستان میں بھی اس عہد کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد فارسی زبان وادب سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ مظہر کل شاہ فارسی کے خوش گو شاعر تھے۔ افغانی قدو قامت اور فن سپہ گری سے دلچسپی، حوصلہ مندانہ طبیعت اور زمانہ کے سرد و گرم حالات سے نبرد آزمائی کا شوق دوسرے اولوالعزم لوگوں کی طرح ان میں بھی تھا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور لکھنؤ تک پہنچ گئے۔ ان کے بارے میں مقامی روایت کی روشنی میں یہ قیاس کیاجاتا ہے کہ وہ بارہویں صدی ہجری کے چوتھی دہائی میں (تخمیناً ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۲ء کے لگ بھگ) پیدا ہوئے۔

ملازمت:

لکھنؤ میں مغل حکومت کی طرف سے محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں محمد امین نیشاپوری شیعی گورنر اودھ مقرر ہوا، اس کے بعد ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۷ء میں اس کا داماد منصور علی خاں صفدر جنگ گورنر ہوا اور اس نے جلد ہی مغل سلطنت سے بغاوت کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۱۶۷ھ میں اس کا انتقال ہوا تو شجاع الدولہ اس کا جانشین ہوا جس نے اجودھیا کے قریب فیض آباد بسایا۔ ۲۱ سالہ دور حکومت کے بعد اس کا انتقال ہو اتو آصف الدولہ (۱۱۸۸ھ - ۱۲۱۲ھ) نے لکھنؤ بسا کر اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ غالباً شجاع الدولہ کا آخری زمانہ ہو گا جب شاہ مظہر کل لکھنؤ میں رسالہ دار کے عہدہ پر نظر آتے ہیں۔ یہ ایک اعلیٰ فوجی عہدہ تھا، اس وقت وہ تجربہ کار اور بالغ نظر تھے، فوجی ذمہ داریوں سے اچھی طرح عہدہ بر آ ہوتے رہے۔ ایک طرف ازدواجی زندگی کے تقاضے، فکر و نظر میں پختگی کا عہد، طویل ملازمت کے تجربات، مغل سلطنت سے بغاوت کے بعد کے حالات، فیض آباد کے بجائے

لکھنؤ کو راجدھانی بنانے کے منصوبے، بہرحال ۱۱۸۱ھ تک تو نہ معلوم کیا کیا مناظر گزر چکے ہوں گے۔

شیخ عبدالرحمٰن ثانیؒ سے تعلق اور بیعت:

ملازمت کے دوران میں شاہ مظہر کل کسی (فوجی یا نجی) ضرورت سے لاہرپور ضلع سیتاپور تشریف لے گئے تو وہاں شاہ مجا قلندرؒ کی خانقاہ قلندری بزرگوں کی صد سالہ ذکر و عبادت کی تاریخ سے روشن اور شاہ عبدالرحمٰن ثانیؒ قلندر کے وجود سے آباد اور فروزاں تھی۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی عقیدت کا یہ مرکز آنے جانے والے مسافروں سے کس طرح مخفی رہتا، چنانچہ شاہ مظہر کل بھی گئے اور حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی لہرپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب اور رسالدار صاحب سے:

> ایک حجرہ میں واللہ اعلم کیابات چیت ہوئی کہ اسی وقت وہ شاہ صاحب کے معتقد اور گرویدہ ہوگئے اور خرقۂ درویشی زیب تن کرنے کی استدعا کی. ارشاد ہوا:
>
> بھرکارے کہ ہمت بستہ گردد
> اگر خارے بود گلدستہ گردد
>
> چنداں غوروتامل کے بعد آپ کو مرید کیا، لیکن نسبت خرقہ کے بارہ میں ارشاد ہوا کہ چھ ماہ صبر کرو. اللہ جل جلالہٗ پر نظر رکھو[1]۔

ملازمت کے دوران میں اہلیہ کا انتقال:

شیر افگن خاں لکھتے ہیں:

---

(۱) تاریخ آئینہ اقوام اسلام ص ۲۹

غرض کہ جب چھ ماہ ختم ہوگئے رسالدارصاحب کی زوجہ نے اس دنیائے دوں سے کوچ کیا۔ اس کے بعد ہی کہ طبیعت عالیہ پیشتر سے متوجہ فقر ہوچکی تھی اورارشاد پیر کا زمانہ بھی پہنچ چکاتھا اس طالبِ حق نے محبت دنیاوی کو توڑ کرنوکری کو چھوڑ دیا اور بے مثالئی جہاں کو مدنظر رکھ کر اہل دنیاسے منھ موڑ لیا۔ تمام مال واسباب، زرِ نقد راہ خدامیں نثارکردیا۔ ترکِ حکومت بخوشی منظور کرلی[۱]۔

ترک ملازمت اور اپنے صاحبزادہ کے ساتھ لاہرپور کا قیام:

شیر افگن خاں مزید لکھتے ہیں:۔

اپنے نونہال خوُرد سال کو ہمراہ لے کر لہرپور تشریف فرماہوئے، بکمال نیازوارادت شاہ عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں حاضر رہے[۲]۔

درگاہ شاہ مجا کی جاروب کشی:

شاہ مجا قلندرؒ (۱۰۲۱ھ۔ ۱۰۸۴ھ) لاہرپور کی خانقاہ قلندریہ کے بانی اور یہاں کے قلندری بزرگوں کے شیخ الشیوخ ہوتے ہیں۔ آپ کے ایک خلیفہ شاہ محمد عاشق قلندر (م ۱۰۹۳ھ) بخارا و سمرقند کے شہزادہ تھے اور شاہؒ مجا کی خدمت میں رہ پڑے تھے۔ شاہ مجاؒ کے انتقال کے بعد اس درگاہ میں وہی جاروب کش رہے:

---

(۱) تاریخ آئینہ اقوام ص ۲۹ (۲) ایضاً ص ۲۹

شاہ محمد عاشق، فقرائے آزاد کے مقتداء
بھی ہیں اوران کے اکثرمریدین لباس آزادیہ میں
اوربعض بلباسِ مشائخ خرقہ پوش ہوتے تھے۔

شاہ محمد عاشق کے بعد ان کے خلیفہ شاہ عبدالحکیم (م ۱۱۸۲ھ) درگاہ شاہ مجا کے جاروب کش ہوئے پھر محبت شاہ مع اپنے بالکہ وفقیر آزاد محمد علی شاہ، جاروب کش ہوئے۔ انہیں حضرت شاہ عبدالرحمن ثانی نے سلطان پور تکیہ دے کر روانہ کیا تو:

اپنے خلیفہ حضرت شاہ مظہر کل قلندر کو
جاروب کشِ درگاہ مقرر کیا جو حضرت شاہ سلطان
مھدی قلندرکے زمانہ تک رھے[1]۔

لہرپور میں قیام کا یہ دور:

حضرت شاہ عبدالرحمن ثانی لاہرپوریؒ کی وفات ۱۱۹۹ھ/ ۸۶-۱۷ء) میں ہوئی ہے اس لیے ۱۱۹۹ھ تک یعنی اپنے شیخ کے انتقال تک تو شاہ مظہر کل صاحب لہرپور ہی میں رہے بلکہ از کارابرار کے یہ الفاظ کہ وہ:

"حضرت شاہ سلطان مہدی قلندرؒ کے زمانہ تک رہے" (پوری عبارت آگے آرہی ہے)۔

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے صاحبزادہ سلطان مہدی قلندر (م ۱۲۱۴ھ/ ۹۹-۱۷ء) کے زمانہ تک یعنی ان کی جانشینی کے بعد بھی ایک عرصہ تک لہرپور ہی میں قیام فرمارہے۔ اس لیے شیرافگن خاں صاحب کی یہ بات درست نہیں کہ:

"پھر حسب الحکم سیاحی کرتے ہوئے بالآخر قصبہ کوٹ میں۔۔ان کا گزرہوا"[2]

---

(۱) از کارابرارص ۱۸۷-۱۸۸ (تلخیص) (۲) تاریخ آئینہ اقوام ص ۲۹

اس عبارت سے یہ جھلکتا ہے کہ گویا شاہ صاحب اپنے شیخ کی حیات میں عازم سفر ہو گئے تھے۔ حالانکہ اذکار ابرار نے یہ صراحت کی ہے کہ وہ اپنے شیخ کے وصال کے بعد بھی ایک عرصہ تک اپنے شیخ زادہ ''سلطان مہدی قلندرؒ کے زمانہ تک'' لاہر پور میں مقیم تھے۔ اور جیسا کہ کوٹ کی مقامی روایات اور دوسرے قیاسات (جن کا بعد میں ذکر کیا جائے گا) سے اندازہ ہوتا ہے کہ لاہر پور میں شاہ مظہر کل صاحب کا قیام ۱۲۰۴ھ۔ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۰ء۔ ۱۷۹۲ء تک رہا۔

اس پورے عرصہ میں شاہ مظہر کلؒ ''خدمت شیخ اور جاروب کشی درگاہ'' کی ذمہ داری پر متعین رہے۔

جاروب کشی کا مطلب:

جاروب کشی کا لفظ اپنے معنی کے لحاظ سے ذرا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ شاہ مظہر کل اسی وسیع مفہوم کے لحاظ سے جاروب کش کی خدمات انجام دیتے رہے۔ خانقاہ میں آنے والوں کی خدمت، ان کا استقبال، ان کی خاطر تواضع، درگاہ کی صفائی، اس کے انتظامات کرنا، اس میں خود شریک رہنا اور دوسرے خدام سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام لینا یہ سب ہی کچھ جاروب کشی کے مفہوم میں داخل ہے۔

یہ درگاہ محض درگاہ ہی نہ ہوتی تھی بلکہ اس سے ملحق خانقاہ اور تکیہ بھی ہوتی ۔ شیخ کی خانقاہ ذکر و عبادت ، خدمت خلق ، ارشاد و نصیحت ، رہنمائی اور رہبری کا ایک اہم مرکز سمجھی جاتی اور عوام و خواص ، یگانہ و بیگانہ ، مسلم اور غیر مسلم سب ہی وہاں حاضر ہوتے۔ کوئی شیخ سے استفادہ و مشورہ کے لیے ، کوئی محض نیاز مندی اور ملاقات کی خاطر اور کوئی دعا اور توجہ کی طلب میں شیخ کی خدمت میں حاضری

دیتا اور ان میں سے بیشتر کا قیام درگاہ سے ملحق کمروں میں، سایہ دار درختوں کے نیچے یا درگاہ کی مسجد میں رہتا۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی اسی درگاہ اور خانقاہ کے تکیہ دار، شیخ اور سجادہ نشیں تھے۔

میر مجلس یا شیخ کے حضور میں واردین و حاضرین کا لحاظ وخیال یا انتظام جاروب کش کے ذمہ ہوتا اور تمام مریدین اور ذاکرین اس کے ساتھ تعاون وخدمت کو اپنے لیے شرف اور سعادت سمجھتے۔ اس لیے جاروب کش کی حیثیت خود بخود دیگر خادموں کے ایک مخدوم کی ہو جاتی، مگر وہ خود اپنے مخدوم شیخ کا ایک خادم ہی رہتا۔ اس کی کارگزاریوں کے یہ دو متضاد پہلو ایک دودھاری تلوار کی طرح ہوتے، خادم کے روپ میں وہ اپنی حیثیت مخدوم کی سمجھ لیتا تو اس کا تنزل شروع ہو جاتا اور مخدوم کے روپ میں اپنی اصل حیثیت خادم ہی کی سمجھتا تو ترقی کے مدارج طے کرتا جاتا۔ اپنے شیخ اور اس کے مریدین دونوں کا محبوب بن جاتا۔ جاروب کشی اس کے لیے امتحان کی ایک کڑی منزل ہوتی اور ساتھ ہی تربیت کا ایک اہم موقع بھی، جہاں مخدوم بننے کا راستہ خادم بننے میں ہوتا۔ عربی زبان کا ایک مشہور مقولہ شاید اسی حقیقت کا ترجمان ہے:

سیدالقوم خاد مهم۔ قوم کا سردار اس کا خادم ہوتا ہے۔

بہر حال حضرت شاہ مظہر کلؒ اپنی خدمات میں مصروف رہے اور انھوں نے اس تربیتی مرحلہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ نہ صرف یہ کہ شیخ کی حیات میں وہ اسی خدمت سے وابستہ رہے بلکہ اپنے شیخ زادہ سلطان مہدی قلندر کے زمانہ تک ایک خادم ہی رہے۔ باوجود اس کے کہ ان کے شیخ نے ان کو خلافت دیدی تھی اور وہ اب خود بیعت کرنے کے مجاز تھے تاہم خدمت اور بے نفسی کا یہ مقام بھی ان کو حاصل ہو گیا کہ وہ اپنے شیخ زادہ کے سامنے بھی ایک خادم ہی کی حیثیت میں رہے۔

شاہ مظہر کل قلندر سے فقرائے آزاد کا سلسلہ بھی:

شاہ تقی حیدر قلندرؒ (م ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) شاہ مجا قلندر لاہرپوری کی درگاہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:

اور شاہ ظہور اللہ قلندر بالکہ و فقیر آزاد حضرت شاہ مظہر کل بھی جاروب کش رہے[۱]۔

اس تصریح سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ مظہر کل سے فقراء آزاد کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ تکیہ مظہر کل شاہ کوٹ کے کاغذات دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ مظہر کلؒ کے انتقال کے بعد ظہور اللہ شاہ کوٹ میں بھی جاروب کش رہے اور یہاں کچھ عرصہ ان کا قیام رہا۔ یہاں کی املاک کا انتظام بھی انہیں کے ذمہ تھا چنانچہ ظہور اللہ شاہؒ کی تحریر (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء غالباً) کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ املاک اپنی جانب سے محبت شاہ کے نام منتقل کی۔ یہ رفاقت شاہ خلیفہ مظہر کل شاہؒ کا زمانہ ہے اور محبت شاہ جو اس وقت غالباً ان کے بالکہ و فقیر آزاد تھے، کاغذات یہ بتاتے ہیں کہ بعد میں وہ تکیہ پر رفاقت شاہ صاحب کے خلیفہ و جانشین بھی ہوئے۔

بالکہ اور فقیر آزاد کا مفہوم:

بالکہ اور فقیر آزاد دونوں لفظ ہم معنی اور ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ کبھی بالکہ کہہ دیتے ہیں اور کبھی فقیر آزاد اور کبھی دونوں کو ایک ساتھ ہی بول دیا جاتا ہے[۲]۔ تصوف کی اصطلاح میں اجازت اور خلافت کی دو قسمیں ہیں مجاز صحبت اور مجاز بیعت۔ مجاز بیعت دوسرں کو بیعت کرنے اور اجازت

---

(۱) اذکار ابرار ص ۱۸۸ (۲) شاہ تقی حیدر قلندر کے صاحبزادۂ گرامی اور خلیفہ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ سے ایک گفتگو کا خلاصہ: بتاریخ ۱۴/۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء

وخلافت دینے کا اختیار رکھتا ہے اور مجاز صحبت کو صرف مجلسی افادہ اور مشورہ ورہنمائی کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے بیعت کرنے کا نہیں۔ یہی مجاز صحبت قلندری بزرگوں کے یہاں فقیر آزاد کہلاتا ہے[1]۔

اس کی کوئی تکیہ یا خانقاہ نہیں ہوتی، اس کا کوئی لباس یا خرقہ متعین نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ذوق اور ضرورت یا خدمت کی نوعیت کے لحاظ سے جو بھی جائز اور مشروع لباس مناسب سمجھے، سلے ہوئے کسی بھی وضع کے یا بغیر سلے ہوئے چادر اور تہبند کے طور پر پہن سکتا ہے۔ اس کے قیام کے لیے کوئی جگہ نہ تو شیخ کی طرف سے مستقل طور پر بالعموم متعین کی جاتی ہے اور نہ ہی وہ کسی ایک جگہ قیام کا پابند ہوتا ہے۔ جب بھی جو بھی خدمت اس کے سپرد ہو جائے اس کو وہ ایک سعادت سمجھ کر انجام دیتا ہے۔ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی، ذکر و عبادت اور خدمتِ خلق ہی کو اپنی عبادت سمجھ کر اسی میں مصروف رہتا ہے۔ اپنی رائے، مشورہ اور دعا سے وہ خلق خدا کی خدمت تو کرتا ہے مگر بیعت لینے یا اجازت و خلافت دینے کا حق نہیں رکھتا۔

اصل بات یہ ہے کہ عام لوگ تین طرح کے ہیں:

۱۔ سادہ مزاج و طبیعت کے بھولے بھالے لوگ جو حسنِ انتظام یا حسن تربیت کا سلیقہ و فہم نہ رکھتے ہوں۔

۲۔ مردم شناسی اور سوجھ بوجھ میں کمی، غیر مستقل مزاجی، عدم توازن جس کی وجہ سے صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، خواہ اپنی دینی حیثیت، مزاج اور نیت کے اعتبار سے نیک اور صالح ہوں۔

۳۔ ایسے افراد جو دنیاوی کاروبار یا ادائیگی حقوق کے ایسے نظام سے وابستہ ہوں جو شرعی اور اخلاقی اسباب سے خلافت کے

---

(۱) مزید تشریح باب اول ''قلندران آزاد بھی'' کے عنوان کے تحت ص ۳۹ پر ملاحظہ کریں

بار گراں کو اٹھانے میں حائل ہو اور ان کا اپنے کاروباری نظام سے وابستہ رہنا شیخ کی نظر میں ضروری ہو۔

قلندر کی اصطلاح میں اول اور دوم قسم کے لوگوں کو فقیر آزاد بنادیا جاتا ہے، اس دوران اگر ان کے فہم اور توازن میں اصلاح اور ترقی کے آثار رونمانہ ہوئے تو وہ اپنے اسی مقام پر رہتے ہیں۔اور اگر اصلاح و ترقی کے اثار ظاہر ہوں اور ان آثار میں ثبات اور استقلال کا یقین غالب ہو جائے تو ان کو خلافت کی منزل تک پہنچادیا جاتا ہے۔

قسم سوم کے لوگوں کو کبھی تو ذکر و شغل ہی میں رکھاجاتا ہے اور کبھی آئندہ کی توقعات کے نتیجہ میں انہیں مجاز بیعت کادرجہ بھی دیدیا جاتا ہے۔

یہ تینوں قسمیں عام افراد کی ہیں۔ان کے لیے کم یا زیادہ الگ الگ نوع کی ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے،ذکر، خدمت، عبادت یا دعوت الی اللہ میں اشتغال وہ ریاضت ہے جو رذائل اخلاق سے پاک کرتی یا محاسن اخلاق کے لائق بنادیتی ہے اور پھر معرفتِ الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ ایک قسم خواص کی ہے جن کے قلوب آئینہ ہوتے ہیں اور ذرا سی توجہ یا معمولی ریاضت ہی سے بہت جلد ان کے دلوں میں نور حق کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔

بہر حال عام افراد ہوں یا خواص، دونوں اپنے اپنے حال و مقام کے اعتبار سے مبارک اور مسعود ہیں۔ پھر عام اور خاص افراد میں سے کچھ پر جذب و سکر غالب آجاتا ہے۔ مستقل طور پر، زیادہ تر یا کبھی کبھی حالت جذب میں ان سے جو بھی صادر ہو اس کے لیے وہ معذور ہیں۔وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ (ان کا حساب اور معاملہ اللہ سے ہے)۔ بہر حال فقرائے آزاد جس نوع کے بھی ہوں ان کے حالات اور معاملات جداگانہ ہیں جو جس مقام تک پہنچتا ہے اس کا عرفان ہو ہی جاتا ہے۔

مظہر کل شاہ صاحب کی کوٹ میں آمد

شیر افگن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ "شاہ صاحب نے اغلباً ۱۸۰۰ء کے پہلے یہاں (کوٹ میں) قیام کیا تھا" یہ عبارت افسوسناک حد تک درست نہیں۔ شیر افگن صاحب نے اپنی نوجوانی میں ان لوگوں کو یقیناً دیکھا تھا جو براہِ راست مظہر کل شاہؒ کے دور میں حیات تھے، اس کے باوجود ان کے بارہ میں ضروری تفصیلات سے بھی بے خبر ہیں جب کہ بہت سے غیر اہم لوگوں کی ولادت و وفات اور حالات زندگی کی معمولی باتیں بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ وہ شاہ مظہر کلؒ کے شیخ تک کے حالات سے بے خبر ہیں، انہیں صرف اتنا یاد ہے کہ ایک بچہ شاہ صاحب کی توجہ اور دعا کے بعد پیدا ہوا جس کی ولادت ۱۸۰۰ء میں ہوئی تھی لیکن شاہ صاحب کی کوٹ میں آمد کا سن، کوٹ میں مدت قیام، ان کی زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات، ان کے خلفاء یا مریدین کی تفصیل یہ ساری باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں، کوٹ میں شاہ صاحب کی آمد کے تذکرہ میں بھی یہ سرسری انداز اور سہل انگاری نمایاں ہے۔ شیخ تقی حیدر قلندر لکھتے ہیں کہ:

> (حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانیؒ قلندر لاھرپوری نے) اپنے خلیفہ حضرت مظھر کل قلندر کو جاروب کشِ درگاہ مقرر کیا جو (ان کے صاحبزداہ اورجانشین) حضرت شاہ سلطان مھدی قلندر کے زمانہ تک رھے. جب وہ گڈھا کوٹ ضلع فتحپور ھسوہ چلے گئے تب حضرت شاہ سلطان مھدی قلندر نے اپنے بالکہ وفقیر آزاد منور شاہ لکھنوی کو جاروب کش مقرر کیا.

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اپنے شیخ کے انتقال (۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۶ء) کے بعد بھی کچھ عرصہ تک لاہرپور میں مقیم رہے، ان کے شیخ زادہ سلطان مہدی قلندرؒ کا وصال اپنے والد بزرگوار کے پندرہ سال بعد یعنی (۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء) میں ہوا۔

(مظہر کل شاہ لاھرپور میں) حضرت شاہ سلطان مہدی قلندرؒ کے زمانہ تک رھے جب وہ ......

یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ شاہ مظہر کلؒ اپنے شیخ زادہ کے سجادہ نشین بننے کے ابتدائی زمانہ ہی میں کوٹ منتقل ہوئے ہیں نہ کہ اپنے شیخ زادہ کے آخری دور حیات میں۔ سلطان مہدی قلندرؒ کے پندرہ سالہ عہد خلافت یا دور سجادہ نشینی کے ابتدائی زمانہ کو نصف سے کچھ کم ۶،۵ سال ہی سمجھ لیا جائے تب بھی شاہ مظہر کلؒ کی کوٹ میں آمد تقریباً ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۲ء قرار پاتی ہے۔ کوٹ کی مقامی روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس طرح شاہ صاحب نے اپنے وصال تک کوٹ میں پچیس سال سے زیادہ قیام کیا۔

قیام گاہ اور خانقاہ کا بندوبست:

شاہ مظہر کل قلندر لاہرپور سے تشریف لائے تو:

قصبہ کوٹ میں مزار عنایت شاہؒ کے متصل گزر ھوا۔ پر فضا جگہ تھی وھیں فروکش ھو گئے۔ اھالیان بستی نے آپ کی تشریف آوری کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اور مغتنمات زمانہ جان کر بمنت وسماجت مستقل قیام کے لیے عرض کیا۔ بعد قیل وقالِ بسیار آپ نے

> موضع کے پچھم جانب لب دریا رھنا پسند فرمایا اور لوگوں نے آپ کے قیام کے لیے ایک مکان بنوادیا [1]۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

> زمینداران موضع نے خدمت گزاران کے بسر اوقات کے لیے کچھ زمین معافی دیدی تھی [2]۔

''یہ لوگ'' اور ''زمینداران موضع'' کون تھے؟ مقامی روایات یہ ہیں کہ محمود خاں صاحب صوبیدار [3] نے خدمت گزاران اور خود شاہ صاحبؒ کے رہائشی مکانات کے لیے اور پھر بعد میں ان کے وارثوں نے شاہ صاحب اور ان سے وابستہ افراد کے مزارات کے لیے زمینیں وقف کر دی تھیں۔ مقامی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دیگر افراد نے بھی شاہ صاحب کی ضروریات اور ان کے خدمت گزاروں کی مدد کے لیے اپنی آراضی معافی میں دیدی تھیں۔

یہ دور پر آشوب:

یہ دور پر آشوب جس میں شاہ مظہر کلؒ نے مقامی سطح پر ایک محدود حلقہ میں اپنا چراغ جلایا ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بالعموم اور اودھ کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص بڑا ہی پر آشوب دور تھا بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:

> اٹھارویں اورانیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے درد والم کی ایک طویل داستان ھے [4]۔

---

(۱) تاریخ آئینہ اقوام (۲) ایضاً (۳) ان کے پوتے تھے علی شیر خاں، احمد حسن، محمد حسن، نبی یار خاں، احمد حسن خاں کے بیٹے ابوالحسن کوٹ کے مشہور بلند آہنگ مؤذن تھے۔
(۴) تاریخ مشائخ چشت طبع دوم جنوری ۱۹۸۵ ص ۳۳۰۔ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی

ایک طرف مرہٹوں کی شمالی ہند پر یورش، پنجاب میں سکھوں کی یلغار اور فرماں روائی، اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد اس کے بیٹے بہادر شاہ کا تشیع، پھر جہاندار شاہ کی تخت نشینی (۱۷۱۳ء ۱۱۲۴ھ) اور عیش وعشرت، فرخ سیر (۱۷۱۹ء-۱۷۱۲ء) کی کمزوری، پھر محمد شاہ رنگیلے کا ۲۸ سالہ رنگین عہد حکومت، اس کے جانشین احمد شاہ کی عیش پرستی، اس کے بعد شاہ عالم ثانی کے عادات واطوار، مغل دربار میں سادات بارہہ کے شیعوں کے اثرات، شیعوں کی دہشت گردی کا یہ عالم کہ:

مرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کیا گیا.

شاہ ولی اللہ دھلویؒ کے پھو نچے اتروائے گئے.

شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ پر چھپکلی کا ابٹن ملوایا گیا[1].

دکن میں میر جعفر کے ذریعہ ٹیپو سلطان کو اور بنگال میں میر صادق کے ذریعہ سراج الدولہ کو جن طاقتوں نے ختم کیا تھا وہ اب بھی برسرِ کار تھیں۔

خاص اودھ کے حالات یہ تھے کہ محمد شاہ رنگیلے (شاہ دہلی) کے زمانہ میں اودھ کا گورنر محمد امین نیشاپوری شیعی مقرر ہوا۔ اس کے بعد ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۷ء میں اس کے داماد منصور علی خاں صفدر جنگ نے گورنر ہونے کے بعد مغلؒ سلطنت سے بغاوت اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ کوٹ اس وقت صوبہ الہ آباد میں اور اودھ کا ایک حصہ تھا۔ اب وہ شاہان مغلیہ کے بجائے نوابان اودھ کے زیر نگیں آ گیا۔ منصور علی خاں نے ۱۷ سال حکومت کی اور ۱۱۶۷ھ میں اس کے انتقال کے بعد شجاع الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ کوٹ پر شجاع الدولہ کی ''نظر عنایت'' کس طرح پڑی؟ اس کی تفصیل فتح پور گزیٹر

---

(۱) تاریخ مشائخ چشت طبع دوم جنوری ۱۹۸۵ ص ۲۶۴۔ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۰۶ء میں مسٹر نیول نے یہ دی ہے:

صدیون تک ان کی جاگیر پر ان کا تصرف بلامالگزاری پایا جاتا ھے لیکن شجاع الدولہ کے عھد میں اس (مالگزاری) کی ابتداء ھوئی اورجب سے اب تک ان کی اراضیات پر مالگزاری برابر چلی آرھی ھے۱۔

FOR CENTURIES THEY APPEAR TO HAVE HELD THEIR JAGIR FREE OF REVENUE, BUT IT WAS RESUMED IN THE DAYS OF SHUJAUDDAULAH, AND SINCE THAT TIME THEIR LENDS HAVE BEEN REGULARLY ASSESSED.

شجاع الدولہ (۱۱۶۷ھ۔۱۱۸۸ھ) اجودھیا میں تھا پھر اس نے فیض آباد بسا کر اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ اس نے انگریزوں سے کئی جنگیں لڑیں اور شکست کھائی اس کے اکیس سالہ دور حکومت کے بعد جب آصف الدولہ (۱۱۸۸ھ۔۱۲۱۲) نواب اودھ ہوا تو اس نے اپنی راجدھانی لکھنؤ کو قرار دیا، لکھنؤ میں اپنے تیئیس سالہ دور حکومت میں اس نے بڑی بڑی اور عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ مذہبی امور میں اس کی پالیسی یہ تھی:

نواب آصف الدولہ کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یادرکھنے کے قابل ھے کہ لھو ولعب میں مشغول ھونے کے ساتھ مذھب تشیع کی اشاعت میں انھوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خاں بھی مذھبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش میں لگے رھتے تھے ان کی کوششوں سے ھزاروں خاندان سنی سے شیعہ ھوگئے اور ان کو جاگیریں ملیں۔ اورجو

---

(۱) فتح پور گزیٹیر جلد ۲۰ مصنفہ ایچ۔ آر۔ نیول۔ مئی ۱۹۰۶ء (تاریخ کوٹ ص ۲۳)

اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں۔ شاہ علی اکبر مودودی کے مشورے اور ملامحمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خاں نے جمعہ وجماعت قائم کرکے سب سے پہلے مولوی دلدارعلی نصیرآبادی کی اقتداء میں ۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ کو نماز ادا کی۔ یہ پہلا دن ہے کہ وسط ہند میں شیعوں نے اپنا جمعہ وجماعت علحدہ کرلیا۔ نائب امام کی حیثیت سے مجتہدین کے ہاتھ میں زمام مذہب دیدی[1]۔

بہر حال یہ وہ ماحول تھا جب کہ اودھ کے شیعہ نواب زن، زر اور زمین کی لالچ دیکر تعزیہ داری اور امام باڑوں کے قیام اور رواج کے لیے کوشاں تھے اور دنیادار، خود غرض اور عہدوں کے حریص یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں کر رہے تھے۔ یہ دور تھا جب کہ شاہ مظہر کل قلندرؒ رسالدار کی حیثیت میں لکھنؤ میں اپنی فوجی ملازمت کے دوران حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی قلندرؒ لاہرپوری سے بیعت ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد ملازمت ترک کرکے آستانۂ شیخ پر جاپہنچے۔ وہاں سے تربیت اور اجازت ملی تو بھی کچھ عرصہ قیام کیااور پھر اودھ کی راجدھانی اور شیعہ مرکز (لکھنؤ) سے دور اہل سنت والجماعت کی ایک بستی ''کوٹ'' میں آکر اسے اپناوطن اقامت بنالیا۔ ان کی زندگی کی دوپہر ڈھل چکی تھی جب وہ اس دیار میں آئے پھر شام زندگی کا آغاز تھا کہ:

(۱) گلِ رعنا ص ۱۵۷ (حاشیہ)

۱۲۱۲ھ میں نواب سعادت علی خاں، اودھ کا نواب اس شان کے ساتھ بنایا جاتاھے کہ انگریز اس سے صوبہ الہ آباد واپس لے لیتے ھیں اور اس طرح ۵۹/ برس تک کوٹ شیعوں کی عملداری میں رہ کر دوبارہ انگریزوں کے زیر اقتدار آجاتاھے۔

ہندوستان میں تاریخ اسلام کے ابتدائی ادوار میں چشتی، سہروردی اور قادری بزرگوں نے خدمات انجام دیں، سہروردی بزرگوں کا دائرہ اثر سندھ وملتان تھا، قادری اور چشتی بزرگوں کا میدان کار پورا ہندوستان، پھر فردوسی سلسلہ نے بہار کی حد تک اپنے فیوض کو محدود رکھا، نقشبندی سلسلہ کا آغاز ہوا تو اس نے پورے برصغیر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے باکمال فرزندان حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی نے اپنے علوم و معارف، ذکر خانقہی اور جہاد زندگانی کے ساتھ تصنیف و تدریس کی ہمراہی میں معرفت الٰہی اور علوم نبوی کا ایسا شجرۂ طوبیٰ کھڑا کردیا جس سے شرق وغرب میں دور دور تک روشنی پھیلی، اس عرصہ میں تصوف کے نسبتاً مختصر خانوادوں نے بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں قلندری بزرگوں نے اپنے دائرہ کار کو محدود رکھا، خاموشی اور خلوت کو اپنا شعار بنایا، عشق الٰہی، سرمستی حق، ذکر نبی ﷺ اور ذوق عرفان سے ماحول کی گرمی کو باقی رکھ کر، عوام وخواص میں ثبات و استقلال کا درس دیا۔ گلی در گلی قلندران آزاد نے بھیس بدل بدل کر مادیت کے طوفان سے نکالنے اور حرص و آز کے سیلاب سے بچانے کی کوشش کی۔ عقل وخرد کے دیوانوں کو قلندر کے میخانہ میں جو صاحب جذب دیوانے ملے انھوں نے خرد کی گتھیاں سلجھادیں اور

مشاہدات کے پروانوں کو پھر سے غیب کا دیوانہ بنادیا۔

اس پر آشوب دور میں قلندر اپنے جذب و مستی کے باوجود ہوشیار اور بیدار رہا اور جگہ جگہ ایمان کی شمعیں روشن کرتا گیا۔ حضرت مظہر کل شاہؒ کے زمانہ میں کہاں کہاں قلندر مصروفِ ذکر و فکر تھا اس کی تفصیل فصول مسعودیہ، اتحاف الاخیار اور اذکار الابرار کے مطابق اس طرح ہے:

(۱) قاضی محمد تقی قلندر (وفات ۱۱۷۶ھ) مہونہ ضلع لکھنؤ (۲) شاہ محمد حمایت قلندر (۱۱۸۴ھ) نیوتنی اٹاوہ (۳) شاہ محمد مجیب اللہ پھلواری (۱۱۹۱ھ) پٹنہ بہار (۴) شاہ رحم رحمان قلندر (۱۱۹۱ھ) بسواں سیتاپور (۵) شاہ نجم الدین قلندر (۱۱۹۱ھ) بسواں سیتاپور (۶) شاہ مسعود علی قلندر (۱۲۲۱ھ) دمگڈھ الہ آباد (۷) شاہ فصیح اللہ صدیقی (۱۲۰۰ھ) رشید آباد جونپور (۸) شاہ شیر علی قلندر دہلوی (۱۲۰۱ھ) لکھنؤ (۹) شاہ عبدالقادر جونپوری (۱۲۰۲ھ) سوگہرپور جونپور (۱۰) شاہ صبغت اللہ قلندر (۱۲۱۱ھ) کاکوری (۱۱) شاہ بدیع اللہ قلندر (۱۲۱۳ھ) جونپور (۱۲) شاہ عاشق اللہ قلندر (۱۲۲۱ھ) کاکوری (۱۳) شاہ غلام علی قلندر (۱۲۲۳ھ) لکھنؤ (۱۴) شاہ حیدر بخش قلندر (۱۲۲۴ھ) غازی پور ضلع سارن (۱۵) شاہ ظہور الحق قلندر (۱۲۲۴ھ) پٹنہ بہار (۱۶) شاہ عبداللہ قلندر (۱۲۲۵ھ) لہرپور سیتاپور (۱۷) شاہ امیر الدین (۱۲۲۵ھ) جونپور (۱۸) شاہ نورالحق تپاں ابدال (۱۲۳۳ھ) خانقاہ مجیبیہ عمادیہ پٹنہ (۱۹) شاہ خدا بخش قلندر (۱۲۳۷ھ) دمگڈھ الہ آباد (۲۰) شاہ قلندر بخش (۱۲۴۲ھ) لاہرپور سیتاپور (۲۱) شاہ نعمت اللہ قلندر پھلواری (۱۲۴۷ھ) پٹنہ بہار۔

اس فہرست میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانیؒ لاہرپوری کے پیر بھائیوں کو اور ان کے سلسلوں کو شامل کرلیجئے تب بھی قلندری بزرگوں کی طویل فہرست کے یہ چند نام ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قلندر بزرگ

ملک کے ہر گوشہ میں موجود تھے۔اور ان کے ذریعہ ذکر و فکر کی مجلسیں بڑی خاموشی سے توحید الٰہی اور عشق نبوی ﷺ کی حرارت اور آخرت طلبی اور خوشنودیٔ حق کی تڑپ خلق خدا کے دلوں میں پیدا کر رہی تھیں۔

شاہ مظہر کلؒ کے اثرات:

> کوٹ میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کے انتظامات بھی ہمیشہ رہے ہیں. اٹھارھویں صدی کے آخر میں حضرت مظہر کل شاہ صاحبؒ نے جب کوٹ میں مستقل سکونت اختیار کی تو اس وقت بھی یہاں فارسی کے اچھے صاحبِ علم اوردین و ادب کے قدر شناس موجود تھے. حضرت مظہر کل شاہ خود بھی فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے. ان کی آمد کے بعد ان کی خانقاہ علم وادب اوردینی تعلیم و تربیت کا مرکز بن گئی(۱)۔

مؤلف آئینہ اقوام لکھتے ہیں:

> شاہ مظھر کل قدس اللہ سرہٗ کے اوصاف جلیلہ بیرون از تحریر ھیں کمالات صوری ومعنوی یادگار اطراف دیارھیں. اجابتِ دعا کے لیے آپ مشھور تھے(۲)۔

شاہ صاحب سے پورا علاقہ متاثر ہو چکا تھا اور گردوپیش کی آبادی ان کی دعاؤں اور دینی و روحانی فیضان سے مستفید ہو رہی تھی اور شاہ صاحب

(۱) جامعہ حسن سنجری مع تاریخ کوٹ ص ۵ مرتبہ عبید اللہ کوثی ندویؒ (۲) تاریخ آئینہ اقوام ص ۲۹

اور یہاں کے خاندانوں سے بے تکلفی کے تعلقات بھی پیدا ہو گئے تھے۔

شاہ مظہر کلؒ عشق حق کی گرمی سے بے تاب، توحید الٰہی کے نغموں سے سرشار اور معرفت حق کے نور سے روشن دل و دماغ لیے ہوئے ایک ویرانہ کو آ نکلے تھے جہاں جاگیرداری مگر جہالت، جواں مردی مگر جاہ طلبی، جہاں بینی مگر خود فریبی اور خود بینی نمایاں تھی۔ فیاضی تھی مگر نمائش کے لیے، اخلاق تھے مگر بیگانوں کے لیے، عبادت میں گھمنڈ، دولت کے نشہ میں مست، رزق حلال سے بے پروا اور حرام کی دولت پر شاداں اور فرحاں، یہ حالات اور خیالات کہاں نہیں ہوتے، شاہ مظہر کل نے جہاں قیام کیا وہاں بھی یہ خرابیاں موجود تھیں۔ خود نگری اور خود شکنی کی لذت، تواضع اور انکساری کا لطف، عجز اور نیاز مندی کا جوہر یہاں بھی مفقود تھا، چنانچہ شاہ صاحب نے اس طرف توجہ دلائی۔ ان کا کلام چند غزلوں اور رباعیات پر مشتمل ہے اس کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کس طاقتور انداز میں فنائیت کے کیف اور زہد کی شراب سے دلوں کو مست رکھنے اور خیالات کو صحیح سمت میں لے چلنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا غلام محمدؒ صاحب کوٹی (وفات ۱۳/ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ)

حضرت مظہر کل شاہ کے آخری دور حیات کی ضیا پاشیوں سے فیضیاب ہوئے تھے مگر وہ ان کی نوعمری کا زمانہ تھا، پھر بعد میں انھوں نے علامہ سلامت اللہ کانپوری (کشفی بدایونی وفات ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء) سے درس لیا اور فراغت حاصل کی ۲۔ اس کے بعد کانپور میں ہی درس و تدریس کا مشغلہ رکھا جہاں

---

(۱) نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۴۹۔ مولانا ریاست علی خاں کوٹی کی پہلی اہلیہ کی دادی یعنی نعمت اللہ خاں بچھیاوالوں کی والدہ اور مولانا غلام محمد صاحب کی اہلیہ دونوں بہنیں تھیں مولانا غلام محمد صاحب کی ایک صاحبزادی مولانا ریاست علی خاں صاحب کے نانا حافظ احمد بخش کی زوجہ ثانیہ تھیں جو لاولد رہیں۔

(۲) نزھۃ جلد ۸ ص ۳۴۹

مولانا محمد عادل کانپوری (ولادت ۱۲۴۱ھ وفات ۱۳۲۵ھ جانشین وخلیفہ مولانا سلامت اللہ کانپوری) نے خاص طور پر ان سے درس لیا اوران کے شاگرد ہوئے۔[۱] مولانا سلامت اللہ کانپوری حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد اورحضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔[۲] مولانا غلام محمد صاحب کوئی، علامہ سلامت اللہ کانپوری کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی۔[۳] کانپور میں طویل قیام کے بعد آخرعمر میں اہل کوٹ کے اصرار پر وہ جب کوٹ آئے تو ان کی آمد پر کوٹ کے باشندوں نے بہت سی غلط رسموں کوترک کردیا اوراس علاقہ میں بڑی اصلاح ہوئی۔[۴]

حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ کے بعد کوٹ میں عمومی اصلاح اور دینی تعلیم کی طرف شوق اور دلچسپی میں اضافہ ہوا چنانچہ یہاں مولانا محمد حسن صاحب محدث کوٹیؒ (استاد مولانا شاہ نعیم عطا صاحب سلون، رائے بریلی) مولانا حکیم عبدالحق صاحب کوٹیؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) مولانا محمود الحسن صاحبؒ (بن مولانا محمد حسن صاحبؒ) اور مولانا حافظ مفتی محمد ریاست علی خانصاحب کوٹیؒ (سابق صدر جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش، شیخ الحدیث جامع العلوم پٹکاپور کانپور اور شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم زیدپور ضلع بارہ بنکی) جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ آخر میں احقر راقم الحروف نے کوٹ میں جامعہ حسن سنجری کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۷۴ء میں مسلسل تحریک اورترغیب کے بعد یہ ادارہ قائم کیا، ساکنان کوٹ نے اس میں بھرپور تعاون دیا۔ ۱۹۸۵ء سے یہ ادارہ حضرت مولانا صدیق

---

(۱) نزہۃ جلد ۸ ص ۴۳۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۹۔ ۵۹۰ (۲) ان کے حالات کے لئے دیکھئے نزہۃ الخواطر جلد ہفتم، تذکرہ علمائے ہند ۲۱۹۔ ابجد العلوم ص ۹۱۸ (۳) نزہۃ جلد ۸ ص ۳۴۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۸ (۴) تاریخ آئینہ اقوام ص ۴۳

احمد صاحب باندویؒ کی دعائیں اور سرپرستی و نگرانی میں تھا اور اب دارالعلوم ندوۃ العلماء کی زیرنگرانی دینی و علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۹۹ء مطابق یکم شوال ۱۴۱۹ھ میں احقر (عبیداللہ کوٹی ندوی) نے اسلامک ویلفیئر سینٹر کوٹ کی بنیاد ڈالی تاکہ علاقہ میں دینی ماحول پیدا کیا جائے اور مقامی مدارس میں زندگی کی روح ڈالی جائے۔ دینی و علمی موضوعات پر اصلاحی، دینی اور تحقیقی کتابوں کی اشاعت کے لئے ''مظہر کل شاہ ریسرچ سینٹر'' قائم کیا جس کی طرف سے اب یہ تیسری کتاب ''قلندر نامہ'' پیش کی جا رہی ہے۔

اسلامک ویلفیئر سینٹر کی زیرنگرانی، قریبی علاقہ موضع شیو پوری میں مدرسہ نورالاسلام بھی احقر کے ذریعہ قائم کیا گیا جہاں مقامی بچوں کے علاوہ بیرونی طلبہ بھی قیام وطعام کی سہولت کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دارالافتاء، خدمت خلق، علم و ہنر کی اشاعت اور نسواں تعلیمی و صنعتی مرکز وغیرہ اس کے مقاصد میں شامل ہیں۔ اور الحمداللہ یہ سب کچھ لوگوں کے تعاون اور درحقیقت اللہ کے فضل وکرم سے انجام دیا جا رہا ہے۔

بہرحال حضرت مظہر کلؒ شاہ صاحب کے بعد حالات بدلے اور علم وذکر کے چرچے عام ہوئے۔

شاہ صاحب کے خلفاء:

حضرت شاہ مظہر کلؒ سے خلافت کے دو سلسلے جاری ہوئے۔ ایک سلسلہ تو وہ جس کا شیخ تقی حیدر قلندرؒ نے اپنی کتاب نفحات عنبریہ میں ذکر کیا ہے اور دوسرا سلسلہ وہ ہے جو تکیہ شاہ مظہر کل کوٹ سے متعلق ہے۔

پہلا سلسلہ:

شاہ تقی حیدر قلندرؒ کی تصریح کے مطابق حضرت شاہ مظہر کل قلندر کے خلیفہ شاہ معصوم تھے۔ ان کے خلیفہ قلندر شاہ ہوئے ان سے رمضان شاہ کو

خلافت ملی اور رمضان شاہ کے خلیفہ عاشق علی شاہ جلال پوری ہوئے[1]۔

شاہ معصوم، قلندر شاہ یا رمضان شاہ کے حالات یا وطن وغیرہ کی تفصیل کوشش کے باوجود معلوم نہیں ہو سکی البتہ عاشق علی شاہ جلال پوری کے جو حالات معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔

عاشق علی شاہ جلال پوری:

یہ بزرگ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۱ء یا ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۲ء میں جلال پور (سندیلہ ضلع بارہ بنکی) میں فوت ہوئے۔

شاہ عاشق علی قلندر کا بچپن سندیلہ میں گزرا۔ وہیں نواب سید اعجاز رسول کے بزرگوں کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت پائی۔ طبیعت میں شورش اور وارفتگی بڑھی تو بنگال کی طرف نکل گئے اور غالباً وہیں رمضان شاہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور خلافت پائی۔ عرصہ کے بعد واپس ہوئے تو بے اختیاری اور بے خودی کا کیف ساتھ لائے۔ مخدوم زادگان سندیلہ نے سندیلہ سے دو تین میل کی دوری پر جلال پور (جلاپور) میں کچھ زمین اور ایک تالاب ان کو معافی میں دیدیا تھا اور جلال پور کے ایک خاندان میں ان کا نکاح بھی ہو گیا، چنانچہ اہل وعیال کی وجہ سے مستقل اقامت گاہ یہی جگہ بن گئی۔ قلندری طریق کے بہت سے بزرگوں کی طرح وہ اپنے مستقر پر اخفاء حال سے کام لیتے، عام آدمیوں کی طرح کھیتی باڑی میں لگے رہتے اور باقی وقت خاموشی سے ذکر و عبادت میں گزارتے لیکن جلال پور سے نکل کر اکثر بنگال چلے جاتے۔ مقامی لوگوں کو ان کی فقیرانہ طبیعت اور اس بات کا تو علم تھا کہ بنگال میں ان کے مریدین بہت زیادہ ہیں اور یہاں جلال پور میں ان

(۱) اتحاف الاخیار ص ۲۷۸۔ اور اذکار الابرار

جیسا پڑھا لکھا آدمی کوئی اور دوسرا نہ تھا۔ لوگوں کی ان سے یہاں ذاتی واقفیت بھی زیادہ قابل ذکر نہ تھی البتہ علاقہ کے لوگ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ قریب ہی کا ایک ہندو گھرانہ آج بھی ان کا ممنون ہے کہ انہیں کی دعا سے وہ گھرانہ پھلا پھولا اور ان کے خاندانی مورث اعلیٰ جو لاولد تھے صاحب اولاد ہو گئے۔ شاہ صاحب کی دعاؤں سے اور لوگوں کو بھی فیض ملا۔ شاہ عاشق علی جلال پوری کے چار بیٹے تھے جن کی اولاد اب تک وہاں آباد ہے[۱]۔ شکستہ مسجد تبلیغی جماعت کے چند افراد کی کوشش سے دوبارہ تعمیر ہوئی ہے۔

شاہ تقی حیدر قلندر لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ علی اکبر قلندر کاکورویؒ کے صاحبزادہ اور جانشین شاہ حبیب حیدر قلندرؒ (وفات ۱۳۵۴ھ) کی ''ان کے ہم عصر مشائخ میں جن سے مراسم وملاقات تھی'' ان میں ایک ''شاہ عاشق جلال پوری مرحوم'' بھی تھے[۲]۔ اس بات سے شاہ عاشق علی قلندر کے مرتبہ ومقام کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحب سے خلافت کا دوسرا سلسلہ:

شاہ مظہر کلؒ سے خلافت کا دوسرا سلسلہ ان کی خانقاہ اور تکیہ سے متعلق رہا جو یہ ہے۔ ان کے خلیفہ اور سجادہ نشین رفاقت شاہ، ان کے محبت شاہ، ان کے بعد الفت شاہ اور ان کے خلیفہ محبوب انور شاہ قلندر بخش، ان کے خلیفہ لطیف انور (بھولے شاہ ولد قلندر بخش ساکن کوٹ[۳])۔

۱۔ رفاقت شاہ صاحب، حضرت مظہر کل شاہ کے خلیفہ اور جانشین تھے، میرے والد معظم مولانا ریاست علی خانصاحبؒ (۱۳۲۰ھ/

(۱) شاہ عاشق علی جلال پوری کے پوتوں اور وہاں کے کچھ اور مقامی افراد سے یہ معلومات حاصل کر کے درج کی گئیں مورخہ ۱۵/۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء (۲) اذکار الابرار ص ۶۶۸ (۳) کاغذات تکیہ مظہر کل شاہ تحریر ۱۸۷۷ء

۱۹۰۲ء یکم ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ / ۳ جون ۱۹۹۲ء) کی روایت یہ ہے کہ ان کے دادا عبدالرحیم خاں (م ۱۹۰۴ء ولد امیر خاں) فارسی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ انھوں نے تکیہ مظہر کل شاہ میں فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی تھی اور رفاقت شاہ صاحب کے زمانہ میں تکیہ میں فارسی زبان و ادب کے مدرس اعلیٰ تھے، وہ عبدالرحیم خاں مدرس کے نام سے معروف تھے اور رفاقت شاہ صاحب کے مجاز اور خلیفہ بھی تھے۔ قلندری بزرگوں کی طرح گمنامی، سادگی، نیکی اور خلق خدا کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری ان کا امتیاز تھا، بے ضرر تھے بلکہ دشمن کی مدارات ان کا شیوہ تھا۔ مقامی روایات سے بھی یہ علم ہوا کہ بسا اوقات وہ اندھیرے میں اپنے کھیت جاتے تو دیکھتے کہ کسی نے ان ہی کے کھیت سے جانوروں کے لیے چارہ لینے کے واسطے بڑا بوجھ باندھ رکھا ہے، یہ جا کر وہ بوجھ اس کے سر پر لاد دیتے نہ اپنا پتہ دیتے نہ یہ بتاتے کہ جس کھیت کو اجاڑ کر یہ بوجھ تیار ہوا ہے وہ انہیں کا ہے۔

۲۔ رفاقت شاہ صاحب کے خلیفہ اور تکیہ کے جانشین محبت شاہ ہوئے۔ ظہور اللہ شاہ (بالکہ وفقیر آزاد حضرت مظہر کل شاہ[۱]) نے اپنی ایک تحریر ۱۲۳۹ھ (مملوکہ تکیہ مظہر کل شاہ) کے مطابق تکیہ کی املاک کو محبت شاہ کے نام منتقل کیا تھا[۲]۔ محبت شاہ اس وقت غالبًا بالکہ وفقیر آزاد تھے اور بعد میں تکیہ کے

(۱) اذ کار ابرار ۱۸۸ (۲) رفاقت شاہ صاحب کی ایک تحریر ۱۶ / محرم ۱۲۳۴ھ ۱۷ / نومبر ۱۸۱۸ء محبت شاہ کے نام منتقلی جائداد کی تکیہ مظہر کل شاہ کوٹ، میں موجود ہے

کاغذات کے مطابق رفاقت شاہ صاحب کے خلیفہ و جانشین ہوئے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۳۔ محبت شاہ کے بعد ان کے خلیفہ الفت شاہ اور پھر محبوب انور شاہ ہوئے یہ دونوں محبت شاہ کے فرزند ہیں۔ محبت شاہ کے الفاظ (تحریر ۱۲۵۶ھ) یہ ہیں ''محبوب انور شاہ، معصوم الفت شاہ کہ فرزندم درویش و مستحق ایں ورثہ اند''۔

۴۔ محبوب انور شاہ قلندری نام ہے ان کا اصل نام قلندر بخش ہے۔ ان کے خلیفہ اور جانشین انہیں کے صاحبزادہ بھولے شاہ ہوئے جن کو سرکاری کاغذات (۱۸۷۷ء) میں بھولے شاہ ولد قلندر بخش لکھا گیا ہے۔ عام طور پر ان کو بوعلی شاہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ تکیہ کے شجرہ میں محبوب انور شاہ (قلندر بخش) کے قلم سے یہ تحریر درج ہے:

''لطیف انور شاہ ولد قلندر بخش سلمہ اللہ بردست فقیر حقیر کثیر التقصیر بندہ محبوب انور غفراللہ ذنبہٗ بیعت کردہ انجامش بخیر و عافیت گرداں۔''

لطیف انور شاہ اگر خلیفہ تھے (یعنی بھولے شاہ یا بوعلی شاہ جیسا کہ زبان زد عام و خاص ہے) تو ان کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد شجرہ میں کبیر انور کا نام ہے مگر وہ صرف مرید ہونے کی خبر دیتا ہے:

''کبیر انور شاہ بدست فقیر ناچیز لطیف انور شاہ درسلسلہ علیہ قلندریہ مرید شدند''. (مقامی آبادی کو کچھ نہیں معلوم کہ یہ کبیر انور کون تھے اور کہاں کے تھے)

اس کے بعد شجرہ میں جو اضافے ہیں ان میں صریح غلطیاں موجود ہیں۔ کم علم لوگوں نے تحریر سے تحریر ملا کر سعادت مندی کے بجائے حصول سعادت کی ناروا اور بیجا جسارت کی ہے۔ شجرہ میں کسی بے خبر نے حضرت مظہر کل شاہؒ کے شیخ کا نام ''شیخ عبدالرحمٰن ثانیؒ لاہرپوری'' کے بجائے ''شیخ عبدالرحمٰن جانباز قلندرؒ لاہرپوری''لکھدیا ہے حالانکہ وہ شیخ عبدالرحمٰن ثانی کے دادا پیر شیخ فتح قلندر کے بھی دادا پیر شاہ عبدالقدوس قلندر کے پیر بھائی تھے اور ان کا انتقال ۹۷۶ھ میں ہوا تھا۔

شاہ صاحب کے مریدین:

علاقہ کوٹ کے علاوہ ضلع فتحپور میں شاہ مظہر کل کے مریدین اور عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد نام بنام انکی تفصیل بیان کرنا دشوار ہے۔ ظہور اللہ شاہ جو حضرت مظہر کل شاہؒ کے بالکہ وفقیر آزاد تھے اور درگاہ شاہ مجا قلندر میں لہرپور میں جاروب کش بھی رہے[1]۔ وہ بعد میں کوٹ بھی آگئے تھے۔ ان کی ایک تحریر (۱۲۳۹ھ) میری نظر سے گزری ہے اس کے آخر میں شاہ ظہور اللہ، راحت علی خاں اور پناہ خاں کے دستخط ہیں۔ پناہ خاں نے اپنی دستخط میں اپنے نام کے ساتھ ''مرید مظہر کل'' بھی لکھدیا ہے جس سے ان کے مرید ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی کوٹ کے مختلف خاندانوں کی زبانی روایات اور تکیہ کے لیے جائداد معافی پیش کردینے سے عیاں ہو جاتی ہے کہ یہاں کے لوگ بالعموم شاہ صاحب سے بیعت تھے اور ان سے ارادت رکھتے تھے۔

---

(۱) اذکار ابرار ص ۱۸۸

کرامات وخوارق:

شاہ مظہر کل قلندر پابند شریعت، متبع سنت، ذاکر شاغل اور تعلیم یافتہ شخص تھے۔ ان کے سلسلہ کے شیوخ شریعت کی پابندی اور احترام کو طریقت ومعرفت کی روح قرار دیتے تھے اور ان لوگوں کو گمراہ اور بے دین سمجھتے تھے جو قید شریعت سے بے پرواہ ہو جائیں۔

اہل اللہ کی دعاو توجہ بارگاہ الٰہی میں رائیگاں نہیں جاتی۔ ان کے حساس اور بیدار سینہ میں اسرار الٰہی کی عطر بیزی مومنانہ صفات پیدا کر دیتی ہے اور خدا کی عالم الغیب ہستی کبھی کبھی اِن دیوانوں کی زبان سے میخانۂ ہستی کے رازہائے سربستہ کہلوا دیتی ہے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور ان کی دعائیں بارگاہ حق میں قبول کرلی جاتی ہیں اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لأبرہ (۱)۔

بہت سے پراگندہ گردوغبار میں اٹے ہوئے ایسے کہ اِن کو دروازوں پر سے ہٹادیاجائے (وہ حق تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہوتے ہیں کہ) اگر وہ اللہ کی قسم کھاکر کچھ کہدیں تو اللہ ان کی قسم کو پورا فرمادیتاہے۔

اہل اللہ اور اہل ایمان کا اللہ کے یہاں بڑا رتبہ ہے۔ بنو آدم کو اللہ تعالیٰ نے جو اعزاز و کرامت عطا کی ہے اس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔

---

(۱) مسلم ۱۳۸، ابن ماجہ ۴۸

ولقد کرمنا بنی آدم (بنی اسرائیل ۷۰)

اور ہم نے انسان کو عزت اور کرم سے سرفراز کیا ہے۔

بنو آدم پر اکرام الٰہی کی یہ بارش ہوتی ہی رہتی ہے اور اللہ کے خاص بندوں کے ساتھ ان کے اعزاز و اکرام کا یہ معاملہ ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات حق ہیں اسی طرح کرامات اولیاء بھی حق ہیں اور ان کرامات کا ظہور، رسول اکرم ﷺ کی امت کے خواص سے قیامت تک ہوتا رہے گا۔

خاکسار ان جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہاں ہم حضرت مظہر کل شاہ صاحب کی چند کرامتوں کا ذکر کرتے ہیں جو زبان زد ہیں اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد زبانی روایات میں واقعات کی تفصیلات میں کچھ فرق تو پڑ سکتا ہے لیکن اصلیت باقی رہتی ہے۔ ان کرامات سے ایمان و عمل صالح کی برکتیں اور اتباع سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو کرامتیں شاہ مظہر کلؒ قلندر کے بارہ میں عام طور پر نقل کی جاتی ہیں ان کے بارہ میں ہم نے کوٹ کی آبادی سے چند لوگوں[1] کے بیانات قلمبند کر لیے ہیں ان کی روشنی میں واقعات کی تفصیل اس طرح ہے:

ا۔ شاہ مظہر کلؒ کا حجرہ تیار ہو رہا تھا، چھت کے لیے ایک دھنّی (شہتیر) چھوٹی پڑ گئی۔ آپ نے دعا فرما کر اسے دوبارہ لگانے کے لیے کہا۔ اب جو دوبارہ وہی دھنی رکھی گئی تو پوری ہو گئی،

---

(۱) عمر حیات خاں پردھان کوٹ، حبیب احمد خاں پنشنر ڈپٹی رینجر کوٹ، ابصار علی خاں بی ایس سی علیگ، کوٹ وغیرہ

وہ دھنی آج تک اسی طرح لگی ہوئی ہے۔ (روایت حبیب احمد خاں صاحب وغیرہ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۱ء)

۲۔ ''کہیں سے کوئی فقیر آیا اس نے چلم پی تو حقہ کی گٹی سونا بن چکی تھی، شاہ صاحب نے کچھ دیر بعد استنجا فرمایا تو جس جگہ پیشاب گرا تھا وہاں سونے کے چھٹے پڑ گئے تھے''۔ یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ جس طرح پیشاب کی کوئی قیمت نہیں اسی طرح دولت دنیا بھی بے قیمت ہے اور فقیروں کا اس طرح کرشمہ دکھانا اہل اللہ کو زیب نہیں دیتا۔ (روایت حبیب احمد خاں صاحب وغیرہ ۱۵ر ستمبر ۱۹۸۱ء)

۳۔ پہلے گڑھا اور کوٹ کی زمینیں الگ الگ نہ تھیں، کئی جگہ حدبندی کے بارہ میں دونوں طرف کے لوگوں میں تنازع ہوا تو حضرت شاہ مظہر کلؒ کو فیصل بنایا گیا۔ آپ نے فرمایا میں دعا کرتا ہوں، بارش ہونے پر ایک لو کی ڈال دوں گا، وہ جہاں جہاں سے تیرتی ہوئی گزرے وہی دونوں کے درمیان کی حد ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حدبندی ہو گئی، درمیان میں دونوں نے اپنے اپنے حصہ سے کچھ زمین معافی میں شاہ مظہر کلؒ کو دیدی۔ (روایت حبیب احمد خاں صاحب وغیرہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۸۱ء)

۴۔ راحت علی خاں کے جسم پر برص (سفید داغ) تھا۔ کپڑوں میں یہ عیب چھپا رہتا۔ ایک دن حجام نے بغل صاف کرتے ہوئے ان دھبوں کا ذکر کیا تو شرمندگی کا احساس ہوا فوراً ہی شاہ صاحب کے پاس جا کر اس کا اور اپنی لاولدی کا تذکرہ کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ رات میں دریائے جمنا جا کر غسل کرنا، ایک جانور نکل کر

بدن چاٹنے گا ڈرنا نہیں اور پانی میں ڈبکی لگا کر جو بھی کنکر پتھر ہاتھ آئے لے کر مٹھی بند کئے ہوئے میرے پاس آجانا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر وہ گھبرا گئے اور ہوش جاتا رہا، مٹھیاں بند تھیں۔ ان کی چیخ کی آواز سن کر شاہ صاحب پہنچ گئے، تسلی دی۔ مٹھیاں کھولیں تو ایک میں ایک پتھر اور دوسری مٹھی میں مٹکے کے دو ٹکڑے تھے۔

فرمایا: کسی غریب آدمی کی لڑکی سے نکاح کرو، ان شاء اللہ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ دوسرے نکاح سے سرفراز علی خاں اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں (روایت حبیب خاں صاحب ۲۶؍ ستمبر ۱۹۸۱ء اور ابصار علی خاں صاحب یکم ستمبر ۱۹۸۱ء)

یہ سرفراز خاں اپنی جوانی میں معذور ہو کر مختلف بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے اکثر ہوش و حواس بھی گم رہتے، اور بالآخر انتقال کر گئے۔ ان کی نسل نے بڑی ترقی کی اور اس میں کئی باثر، معزز اور تعلیم یافتہ افراد پیدا ہوئے جن میں خاص طور پر خان بہادر رکن الدین خاں صاحب وکیل مرحوم (ایم ایل اے پرتاب گڑھ) نے بڑی عزت اور شہرت پائی۔

بیماریوں سے شفا اور اولاد کی طلب کے واقعات بزرگوں کے یہاں بکثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ شاہ مظہر کلؒ سے جاری ہونے والی خلافت کے سلسلہ میں شاہ عاشق علی جلال پوری کی دعا سے ایک ہندو گھرانہ صاحبِ اولاد ہو گیا تھا۔ بزرگوں کی دعا سے دنیا کا حصول، بیماریوں سے نجات یا حصول اولاد نہ کوئی دینی سعادت ہے اور نہ ہی کوئی خاندانی اعزاز، اس پر ممنون تو ہونا چاہئے مگر یہ دھیان میں رہے کہ اصل دولت، دولت دین ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے اہل اللہ سے دین کی سوغات پائی، اللہ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کا عشق پایا اور ان

کے دلوں میں اس دین کا احترام پیدا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا اور اس کے محبوب رسول ﷺ کا عطا کیا ہوا ہے۔ اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ سنت نبوی ﷺ ہی وہ دولت ہے جس کے لیے ہر ایک کو آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون: اور انہیں باتوں میں چاہئے کہ لوگ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں۔

بسنت کا فاتحہ:

شاہ مظہر کلؒ کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرحمٰن ثانی لہرپوریؒ کا فاتحہ بسنت کے روز خدمت گزاران مزار کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اس کی ابتداء حضرت مظہر کل شاہ صاحب نے اپنی زندگی ہی میں کر دی تھی۔ یہ عرس قرآن خوانی اور ایصال ثواب کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ درمیان میں رنگین طبع اور آوارہ مزاج لوگوں نے بازاری عورتوں اور طوائفوں کو بلا بلا کر ایک بازار حسن کی کیفیت پیدا کر دی تھی مگر آہستہ آہستہ یہ رسم ہوا ہو گئی اور علاقہ کے ذی فہم اور صاحب علم افراد نے خدمت گزاران مزار کو تاکید کر دی کہ شریعت اسلامیہ کی پاسداری کریں، بہر حال اب یہ عرس سادگی کے ساتھ ہوتا ہے۔

شاہ مظہر کلؒ کی وفات:

شاہ صاحب ۹۲-۱۸۹۰ء کے لگ بھگ کوٹ تشریف لائے تھے۔ انتقال کے وقت مقامی روایات یہ ہیں کہ وہ تقریباً ۸۵ برس کی عمر کے ہو چکے تھے[1]

---

(۱) مقامی روایات ناقل عمر حیات خاں صاحب کوٹ

خانقاہ کی روایت کے مطابق رفاقت شاہ صاحب نے ۱۷ر نومبر ۱۸۱۸ء کی تحریر کے مطابق خانقاہ کی جائداد اور معافی کی آراضی اپنے مرید محبت شاہ کے نام منتقل کی تھی۔ دوسری بات یہ کہ سرفراز علی خاں جو ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے تھے، ان کی جوانی کے زمانہ تک شاہ صاحب حیات رہے۔ ان دونوں باتوں کے پیشِ نظر قرین قیاس یہ ہے کہ شاہ مظہر کل قلندر کا وصال ۱۲۳۱ھ ر ۱۸۱۷ء میں ہوا اور ان کے بعد رفات شاہ صاحب خانقاہ میں ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ فرحمه الله رحمة واسعة ورزقه ما یرزق الصالحین وادخله جنة الفردوس برحمتک یا ارحم الراحمین.

اس موقع پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت شاہ مظہر کلؒ کے خیالات پر ایک نظر ڈالیں۔ اس کے بعد ان کی غزلیں اور رباعیات پیش کی جائیں گی۔ غزلیات کا اردو منظوم ترجمہ بھی ساتھ ساتھ دیدیا گیا ہے تا کہ غزلوں کے معنی و مفہوم سے واقف ہونے کے بعد حضرت شاہ صاحب کے انداز سخن کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

حضرت مظہر کل شاہؒ کے افکار و خیالات:

شاہ مظہر کلؒ کے خیالات ان کی شخصیت کے لیے شفاف آئینہ کی طرح ہیں۔ان کی غزلوں اور رباعیات کا جو تحریری ریکارڈ ہمیں دستیاب ہے ان سے شاہ صاحب کے افکار کا بیش قیمت سرمایہ ہاتھ آتا ہے،ان کی ادبی اور روحانی شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے،ان سے ہمیں شاہ صاحب کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کی باغ و بہار مرنجاں مرنج اور پر کیف شخصیت کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔

ان کی غزلوں میں سرمستی، جوش اور جذب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ خدا کی محبت اور اس کے عشق میں ڈوب کر انھوں نے جو بھی غزلیں کہی ہیں ان کا ہر شعر مئے عشق سے چھلکتا اور عظمتِ الٰہی کے گن گاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ تاہم وہ احتیاط کا دامن تھامے رہتے ہیں اور بارگاہ الٰہی کی عظمتوں اور خدائے ذوالجلال کے جبروت و کبریائی کے سامنے باادب رہتے ہیں۔ سرمستی اور ہوش کے بادہ سے سرشار یہ غزل ملاحظہ ہو:

سرمستی اور ہوش کی یکجائی:

اے دل باادب باش کہ تایارنہ رنجد
گستاخ مشوتاز توهشیار نہ رنجد

گاهے بنگاهے کند اوصلب دل ودیں
طرار مشوتاز تو هشیارنه رنجد
گرشکر حقیقی کندت بے سروساماں
سرشار مشوتاز توهشیارنه رنجد
مقتولِ رهِ عشق شو از حسن پرستی
غمناک مشوتاز تو هشیار نه رنجد

جاں سپاری اور سوختہ سامانی:

ایک دوسری غزل میں اپنی جاں سپاری اور محبوب حقیقی کے لطف و کرم کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

خورم آن روز که هم خانه شوم باصنمے
جان بجاناں دهم بهر نثارے قدمے
ساقیا مهوش ماجام پیاپے دارد
که دل غمزده را شاد کند از کرمے
پئے دیدار رخش کوئے بکوئے نعره زناں
ناگهاں چهره نماید صنمے از حرمے

آخری شعر کتنا خوبصورت اور دل آویز ہے۔ اسی غزل میں اپنی سوختہ سامانی اور فنائے ذات کا خیال آتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

خاکسار یست دریں راهِ فنا اے دانا
لذتِ عشق نیابی تو بجز دردِ غمے
بے بیان است کنوں حالِ دلِ سوختہ ام
دل وجان صفحه کنم تابنگارم رقمے

عام لوگوں سے اسرار کی بات نہ کرنا چاہئے احترام شریعت ضروری ہے:

حضرت شاہ مظہر کل قلندرؒ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کشف اور سیرِ روحانی سے جو حقائق معلوم ہوتے ہیں ان کو کسی بھی حال میں عوام کے روبرو بیان نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کوئی ان کو بیان کر دے تو اس کی سزا ان کے نزدیک لازم ہے۔ فرماتے ہیں:

سرپنهانی نشاید فاش کردن برعوام
آشکارا چوں کند بردار می باید کشید

پنہاں راز کو عوام پر ظاہر نہیں کرنا چاہئے اور اگر ظاہر کر دے تو اسے تختۂ دار کے حوالے کر دیا جائے۔

یہ حقائق عوام پر آشکارا کیے جائیں گے تو تعبیر و ترجمانی میں احتیاط اور کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے بات کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔ صاحب کشف جو کہنا چاہتا تھا وہ کہہ نہ پایا اور جو کہا اس سے بات ادھوری رہ گئی اور ایسی ہو گئی جو قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کی تصریحات سے ٹکراتی ہے۔ گمراہ کن ہے اس لیے امتِ رسول ﷺ کو گمراہی میں پڑنے سے بچانا ضروری ہے ورنہ یہ امت قرآن مجید اور حدیث نبوی کی روشن ڈگر سے ہٹ کر ادھورے اور نامکمل کشف کے پیچھے کہاں کہاں بھٹکتی رہے گی اور یہ کیسے معلوم ہو گا کہ کہنے والا کیا بتانا چاہتا تھا اور کتنا بتانے سے رہ گیا اور جو بتا پایا اس کا مطلب کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حقائق اگر ضروری ہوتے تو نبی آخرالزماں ﷺ کے ذریعہ ان کی خبر دیدی جاتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر ایک کے مشاہدہ کا صحیح ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ ولایت کے درجات میں فرق و تفاوت کی وجہ سے کچھ مشاہدوں کے کامل نہ ہونے یا ادھورا رہ جانے کا بھی امکان ہے۔ جن پہلوؤں کا مشاہدہ نامکمل رہ گیا اس کی وجہ سے حقیقت کبریٰ کا اصل چہرہ نظروں سے اوجھل بھی ہو سکتا ہے۔ اور ایسے نامکمل مشاہدہ اور معلومات کو

قرآن وسنت کے قطعی اعلانات اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح بیانات کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر مشاہدہ کامل ہوا تب بھی علم و مطالعہ اور قرآن وسنت پر نظر کے اعتبار سے تمام اہل کشف ایک درجہ پر نہیں ہیں۔ تعلیمی صلاحیت اور نفسیاتی کیفیت، فہم و شعور و دراک میں کمی، فرق اور تفاوت کی وجہ سے یہ یقینی بات ہے کہ مشاہدہ و کشف کی صحیح ترجمانی نہ ہو سکے یا حقیقت واقعہ کے اظہار میں کوئی نقص رہ جائے۔

اللہ کے رسول محبوب رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اقلیم ولایت کے سر تاج ہیں، صاحب وحی ہیں۔ مشاہدۂ حق اور کشفِ احوال کی نعمت انہیں تمام انبیاء و اولیاء سے بڑھ کر حاصل تھی۔ اس لیے ان کے بیانات سے، شریعت سے، کسی ولی اور بزرگ کا مشاہدہ یا کشف متصادم ہو اور اس سے دین قطعی کے حدود و قیود پر زد آجائے تو شریعت کے نگہبان اپنا فرض انجام دیں گے اور بقول حضرت مظہر کل شاہ قلندرؒ:

آشکارا چون کند بر دار می باید کشید

(ظاہر کر دے تو اسے تختۂ دار کے حوالہ کرنا چاہئے)

ہر کشف سے بڑھ کر وہ ''وحی'' ہے جو دنیائے کشف کے امام محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ ہر ذات سے بڑھ کر ذات رسول ﷺ ہے اور ہر مقام سے آگے مقام ختم المرسلین ہے، ہر علم سے بڑھ کر قطعی اور یقینی وہ علم ہے جو ذات رسول ﷺ کے ذریعہ ہمیں عطا ہوا اور ہر ایک الہام و کشف، حکم و قانون آنحضرت ﷺ کے حکم کے آگے منسوخ ہے۔ ہر بیان، بیان نبوی ﷺ کے سامنے ناقابل اعتبار ہے۔

بہر حال حضرت مظہر کل شاہ صاحبؒ نے ایک بڑی حقیقت کی طرف رہنمائی کی ہے اس کا لحاظ ہر صوفی اور متبع شریعت پر لازم ہے۔